دارالعلوم کراچی کا ترجمان
ماہنامہ
البلاغ
صفرالمظفر ۱۴۰۹ھ، اکتوبر ۱۹۸۸ء
بانی:
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ
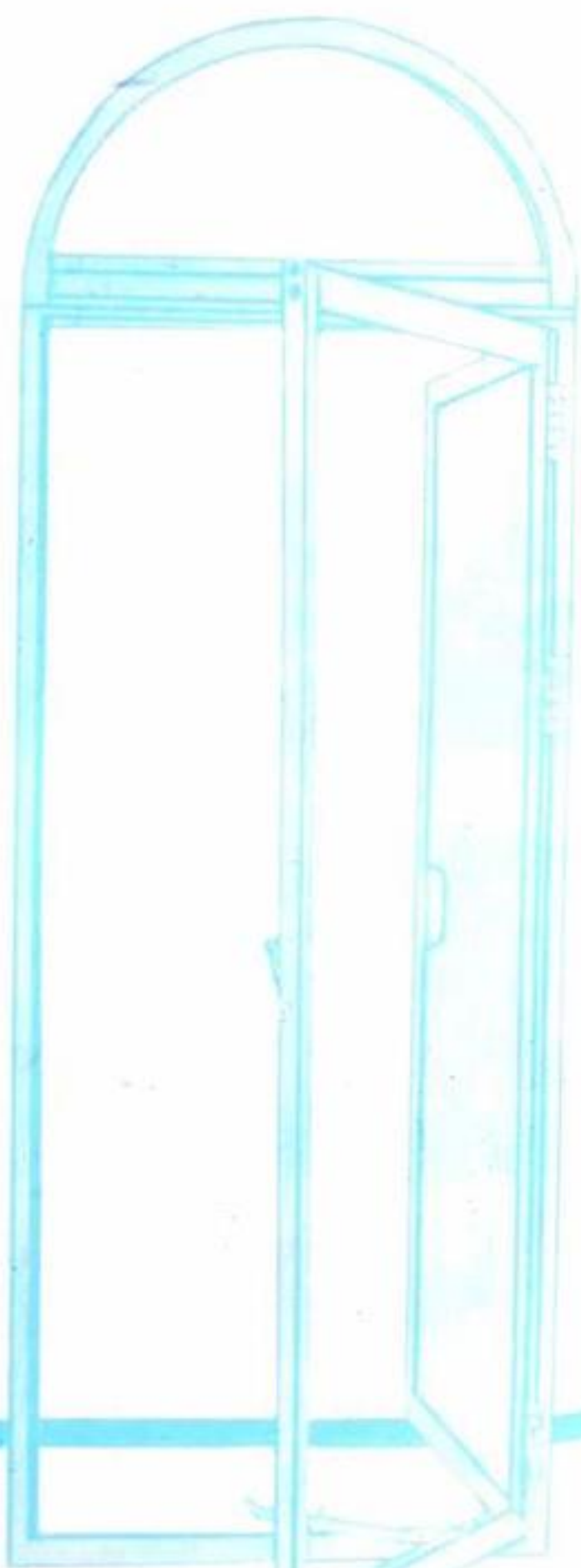
نگران

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر

محمد تقی عثمانی

ناظم

شجاعت علی ہاشمی

جلد: ۲۳ — شمارہ: ۲

صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

اکتوبر ۱۹۸۸ء

قیمت فی پرچہ: پانچ روپے

سالانہ: پچاس روپے

سالانہ بدل اشتراک:

بیرون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک رجسٹری

ممالک	بدل اشتراک
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۲۳۰ روپے
ہانگ کانگ، نائیجیریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ	۱۸۰ روپے
سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت	۱۵۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دار العلوم، کورنگی کراچی

فون: ۳۱۱۲۱۷

پبلشر: محمد تقی عثمانی، دار العلوم کراچی   پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

نقد و تبصرہ

ذکر و فکر:

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

ابھی شہید مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کا حادثۂ وفات تازہ تھا، اور ان کے بارے میں تفصیلی تأثرات لکھکر فارغ ہوا تھا، اور وہ زیرِ کتابت تھے کہ ایک اور جانکاہ حادثے کی خبر نے ہلکان کر دیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ (بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) اِس ملک کی ان گرانقدر شخصیتوں میں سے تھے جن کے تصور سے اس ظلمت بھرے دَور میں دِل کو ڈھارس اور قلب کو تقویت محسوس ہوتی تھی، اور جن کے خیال سے اپنے عہد کے افلاس کا احساس کم ہوتا تھا۔ آج ہم اس دلآویز اور دِلنواز شخصیت اور ان کی برکات سے بھی محروم ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کی ذاتِ والاصفات یادگارِ سلف تھی، علم و فضل اور طہارت و تقویٰ کے اوجِ کمال پر فائز ہونے کے باوجود وہ سادگی اور تواضع و انکسار کا ایسا پیکرِ مجسّم تھے کہ عُجب و پندار کے اس دور میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اُن کا پُرنور

چہرہ دیکھکر اللہ یاد آتا تھا، اُن کی صحبت میں رہکر قلب میں گداز اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی تھی، اور محسوس ہوتا تھا کہ ہم سلفِ صالحین کے کسی بزرگ کی صحبت سے فیض یاب ہیں۔

طبعی طور پر حضرت موصوفؒ درس و تدریس اور علمی و تبلیغی مشاغل کے بزرگ تھے، سیاست اور اسٹیج کے نہیں۔ لیکن ایک درد مند صاحبِ دل کی طرح ملک و ملت کی بہبود کی فکر اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کی لگن بھی اُن کی حیاتِ طیبہ کا جزوِ لاینفک بن گئی تھی۔ چنانچہ اس لگن کی بنا پر انہوں نے اپنا گوشۂ عزلت چھوڑ کر ملک کے سیاسی معاملات میں بھی فعّال حصہ لیا، لیکن یہ سب کچھ دین اور صرف دین کیلئے تھا۔

حضرتؒ ایک طویل عرصے تک قومی اسمبلی کے رکن رہے۔ آپ آجکل کی انتخابی سیاست کے داؤں پیچ سے کوسوں دُور تھے، اور ووٹ حاصل کرنے کیلئے جو ترکیبیں آج کی انتخابی سیاست کیلئے لازمی حیثیت رکھتی ہیں، اُن سے بھی آپ کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ لیکن محض اپنے اخلاص، للّٰہیت اور علم و تقویٰ کی بنا پر آپ اپنے حلقۂ انتخاب میں وہ مقبولیت عامہ رکھتے تھے کہ پے در پے کئی انتخابات میں آپ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے، اور اپنے مقابل بڑے بڑے سیاسی پہلوانوں کو زیر کیا۔ ایک مرتبہ تو صوبۂ سرحد کا وزیر اعلیٰ بھی آپ کے مقابل میں ناکام ہوا۔

اسمبلی میں آپ کی جد و جہد کا محور بھی صرف دین اور خالصۃً دین رہا، آپ معاصر سیاست کے اُن کاموں میں کبھی نہیں اُلجھے جو اپنی کوشش کے اس بنیادی نقطے سے آپ کو ہٹا سکیں، حق کے اس بندے نے اسمبلی میں ہمیشہ حق کی آواز بلند کی، اور ہمیشہ حق کا ساتھ دیا، اور محض سیاسی بنیاد پر بنی ہوئی دھڑے بندیوں میں اپنے آپ کو ملوث نہیں ہونے دیا، اور یہی وجہ تھی کہ آپ کی شخصیت اُن چند گنی چُنی شخصیتوں میں سے تھی جن کی مقبولیت اور جن کا حلقۂ اثر حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی تفریق سے ناآشنا تھا۔

ملک میں جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا جس کا تعلق دین سے ہو، حضرت مولاناؒ نے اسمبلی میں اس سے متعلق خالص دینی نقطۂ نظر سے اپنا موقف واضح کیا۔ حضرتؒ نے اسمبلی میں جو تقریریں فرمائیں، یا جو تحریکیں پیش کیں، ان میں سے کچھ کا ریکارڈ آپ کے فاضل صاحبزادے جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک کتاب میں مرتب فرما دیا ہے جو "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

حضرتؒ ہمارے ملک میں مسلکِ علماء دیوبند کے علم برداروں میں سے تھے، اور اپنے عقیدہ و عمل میں پورا رسوخ رکھتے تھے، لیکن اس رسوخ اور تصلّب کے باوجود آپ نے

کبھی اپنے آپ کو فرقہ واریت میں ملوث نہیں ہونے دیا۔ آپ نے ہر اختلاف کو اختلاف کی حدود میں رکھنے کا وہ معتدل طریقہ اپنایا جو درحقیقت اکابر علماء دیوبند کا بنیادی وصف ہے۔ اپنے مسلک و مشرب کو مضبوطی سے تھامنے کے ساتھ ساتھ دین کے بلند اور مشترک مقاصد کیلئے دوسرے مکاتبِ فکر سے اشتراکِ عمل بھی جاری رہا، اور کوئی مخالف سے مخالف شخص بھی آپ پر فرقہ وارانہ تعصّب کی تہمت نہیں لگا سکا۔

اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات ملک کے تمام دینی حلقوں کی نظر میں اپنے اخلاص و تقویٰ کی بنا پر ایک محترم مقام رکھتی تھی، اور آپ کی شخصیت پر مختلف مکاتبِ فکر اور متحارب گروہ جمع ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حال ہی میں "شریعت بل" منظور کرانے کی جدوجہد کیلئے ملک بھر کے مختلف الخیال عناصر کا جو "متحدہ شریعت محاذ" بنایا گیا، اس کا سربراہ آپ ہی کو چنا گیا۔ اب ملک کے علماء میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جس پر مختلف مکاتب فکر کے لوگ اس طرح بے کھٹکے متفق ہو جائیں۔

حضرتؒ علمی میدان میں، جو آپ کا اصل میدان تھا، دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے علم و فضل کے امین تھے۔ آپ نے اکوڑہ خٹک جیسے دور افتادہ قصبے میں "دارالعلوم حقانیہ" کی بنیاد ڈالی جو رفتہ رفتہ ملک کے ممتاز ترین دینی مدارس میں اعلیٰ مقام کا حامل بنا، آپ نے اس دارالعلوم کو خونِ جگر پلا کر پروان چڑھایا، اور آخر وقت تک اس میں درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اسمبلی کی گمبھیر مصروفیات کے عین درمیان بھی تدریسِ حدیث کا یہ مبارک مشغلہ موقوف نہیں ہوا۔ آپ اکوڑہ خٹک سے اسلام آباد تک کا طویل فاصلہ کاروں، بلکہ بسا اوقات بسوں اور ویگنوں میں طے کر کے اپنے دونوں فرائض بحسن و خوبی نبھاتے رہے، اور اس کام کیلئے بڑھاپے کے دور میں جو مشقتیں آپ نے اٹھائیں، وہ ہم جیسے جوانوں کے لئے حیرت انگیز تھیں۔

آپ کا دورۂ حدیث کا درس ملک کے ممتاز ترین دروس میں سے تھا جس میں ہر سال طلبہ کی تعداد سینکڑوں میں ہوا کرتی تھی، چنانچہ آپ کے شاگردوں کا سلسلہ چاردانگِ عالم میں پھیلا ہوا ہے، آپ کے درسِ ترمذی کی تقریر کا ایک حصہ "حقائق السنن" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس سے آپ کے درس کی عظمت، ہمہ گیری اور معیارِ تحقیق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ تقریر مکمل طور پر شائع ہو جائے تو معلومات کا بیش بہا خزانہ ثابت ہوگی۔

آپ آخر وقت تک اکوڑہ خٹک کے ایک اندرونی محلے میں ایک نیم پختہ سے مکان میں مقیم رہے، اور اسی کے متصل ایک مسجد میں (جہاں ابتداء میں دارالعلوم حقانیہ کا آغاز ہوا تھا) جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ آپ کا یہ خطبۂ جمعہ بھی انتہائی مفید اور مقبول تھا، اس کا خلاصہ ماہنامہ "الحق" میں ہر مہینے شائع ہوتا رہا ہے۔

جہادِ افغانستان شروع ہوا تو ملک کے تمام دینی مدارس میں سے دارالعلوم حقانیہ غالباً وہ پہلا مدرسہ تھا جس کے فضلاء نے حضرت مولاناؒ کے زیرِ ہدایت اس جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور نمایاں حاصل کیں۔

راقم الحروف کے ساتھ حضرت مولاناؒ کا شفقانہ تعلق لفظ و بیان سے ماوراء تھا۔ اُن کی خدمت و صحبت میں پہنچکر شفقتِ پدری کی ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ پہلے پہل احقر کو اُن کی زیارت کا موقع ۱۹۵۶ء میں ملا۔ والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے ملک میں اسلامی دستور کیلئے جد و جہد کرنے کی خاطر جمعیۃ علماء اسلام کو منظم کرنے کیلئے کراچی سے پشاور تک کا طوفانی دورہ کیا، اس دورے میں آپ کے ساتھ حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے، برادرِ محترم حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور احقر بھی آپ کے ہمراہ رہے۔ اس موقع پر اکوڑہ خٹک میں قیام حضرت مولاناؒ کے مدرسے میں ہوا، وہیں پہلی بار آپ کی زیارت ہوئی، اور پہلی ہی زیارت میں دل پر یہ تأثر قائم ہوا کہ گویا دنیا ہی میں کسی فرشتے کی زیارت ہو رہی ہے۔ سُرخ و سفید نورانی چہرہ، چہرے پر بلا کی معصومیت، گفتگو سے پھول جھڑتے ہوئے انداز و ادا میں وہ نورانیت کہ جیسے اس دنیائے دُوں کی آلائشوں سے دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ یہ حسین اور منور چہرہ اُسی وقت سے دل پر نقش ہوگیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بارہا حضرتؒ کی زیارت و صحبت کے مواقع نصیب فرمائے، اور ہر بار یہ نقش پختہ ہوتا چلا گیا۔ حضرتؒ کے لائق و فاضل فرزند جناب مولانا سمیع الحق صاحب سے احقر کے بے تکلف برادرانہ تعلق کی وجہ سے حضرتؒ اِس ناکارہ پر بھی ایسی ہی شفقت فرماتے جیسے اولاد پر ہوتی ہے، اور اُن کے سایۂ شفقت میں پہنچ کر دل کو ایک عجیب سکینت نصیب ہوتی تھی۔

علم و فضل کے دریا جذب کر لینے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کی البیلی ادا ہمارے بزرگوں کا طرۂ امتیاز رہی ہے، اور یہ وصف حضرت مولاناؒ میں اس درجہ زیادہ تھا کہ

بعض اوقات احیرت ہوجاتی تھی، اور مخاطب شرم سے پانی پانی ہوجاتا تھا۔

غالباً ۱۹۷۲ء کی بات ہے، بھٹو صاحب مرحوم کا دورِ حکومت تھا، اور اسمبلی میں ۱۹۷۳ء والے دستور کا مسودہ زیرِ بحث تھا۔ حضرت مولاناؒ قومی اسمبلی کے رکن تھے، میرے پاس برادرِ محترم مولانا سمیع الحق صاحب کا خط آیا کہ حضرت مولاناؒ شرعی نقطۂ نظر سے مسودۂ دستور کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، تاکہ اس میں ترمیمات پیش کرسکیں۔ حضرتؒ کا خیال ہے کہ اگر اس موقع پر تم بھی آجاؤ تو یہ کام مِل جُل کر کرلیا جائے۔ احقر کو یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ حضرتؒ کو واقعۃً اس کام کے لئے میری ضرورت ہے، بلکہ زیادہ خیال یہ تھا کہ یہ مولانا سمیع الحق صاحب نے "تقریب بہرِ ملاقات" پیدا کرنے کا ایک لطیف حیلہ ایجاد کیا ہے۔ لیکن حضرتؒ کی شفقت سے بہرہ ور ہونے اور اُن کے کسی کارِ خیر میں برائے نام ہی سہی حصہ لگانے کو سعادت سمجھ کر احقر چلا گیا۔

میں جب اسلام آباد پہنچا تو اسمبلی کا اجلاس جاری تھا، برادرِ محترم مولانا سمیع الحق کے ہمراہ میں اسمبلی کی گیلری میں چلا گیا جہاں سے اسمبلی کی کارروائی دیکھی جاتی ہے۔ حضرتؒ نے کچھ دیر بعد نیچے سے گیلری کی طرف نگاہ اٹھائی، اور مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ احقر کو بیٹھے دیکھا تو تھوڑی دیر کیلئے باہر نکل آئے، اور ہمیں بھی باہر آنے کا اشارہ فرمایا۔ ہم باہر پہنچے تو حضرتؒ نے گلے سے لگالیا، اور احقر کو، جو اُن کی اولاد اور شاگردوں کے برابر آنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا، خطاب کرتے ہوئے بیساختہ جو جملہ ارشاد فرمایا، وہ یہ تھا کہ "حضرت! آپ نے بڑی شفقت فرمائی!"

میں حضرتؒ کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا کہ وہ کیا الفاظ کس سے کہہ رہے ہیں، لیکن وہاں کسی تصنع یا تکلف کا نام ہی نہ تھا، وہ ایسے انداز سے بات کر رہے تھے جیسے میں نے اُن کی خدمت میں حاضری دیکر اُن کی کوئی ضرورت پوری کی ہے۔ اللہ اکبر! تواضع کا یہ مقام خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

الحمدللہ، اس کے بعد بھی بارہا حضرتؒ کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے بہرہ ور ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، اور ہمیشہ "من تواضع للہ الخ" کا نظارہ سامنے آیا۔

اب سالہا سال سے ملک میں جب کبھی کسی اجتماعی دینی کام کا کوئی تصور کیا جاتا تو سب سے پہلے نظر حضرت مولاناؒ کی طرف جاتی تھی، عرصۂ دراز سے حضرتؒ علیل چلے آتے تھے

اور ضعف و علالت کے باوجود اپنی غیر معمولی ہمت اور قوتِ ایمانی سے کام لیکر اپنے آپ کو متحرک اور فعال بنائے رکھتے تھے، لیکن صحت کے انحطاط کو دیکھتے ہوئے یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ کسی بھی وقت داغِ مفارقت دے سکتا ہے۔ بالآخر یہ خطرہ اس ماہ حقیقت بنکر سامنے آگیا۔ حضرتؒ اِس دنیا کے الجھیڑوں سے فراغت پاکر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھمّ أکرم نزلہ ووسع مدخلہ وأبدلہ داراخیرا من دارہ وأھلا خیرا من أھلہ، اللّٰھمّ لاتحرمنا أجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

حضرت مولاناؒ اپنی زندگی علم و عمل کے ہر میدان میں قابلِ رشک طریقے سے گذار گئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ اُن کی نئی زندگی راحت و اطمینان کی زندگی ہوگی، لیکن ان جیسی شخصیات کے اٹھنے سے ہم پسماندگان کے لئے جو مہیب خلا پیدا ہوتا ہے، وہ بڑی مشکل سے پُر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ان کے تربیت یافتگان بیشمار ہیں، خاص طور پر اُن کے فاضل فرزند برادر محترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی خصوصی صحبت و تربیت سے سرفراز فرمایا ہے، وہ عالمِ شعور میں آنے کے بعد ان کی جد وجہد کے ہر مرحلے میں ان کے دست و بازو بنے رہے ہیں۔ انشاء اللہ وہ اُن کی زندگی کے مشن کو جاری و ساری رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی توفیقِ خاص سے نوازیں، اور ان کے کندھوں پر جو گراں بار ذمہ داریاں آگئی ہیں، اُن سے اپنی رضائے کاملہ کے مطابق عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرتؒ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی خواہش تھی، لیکن اطلاع ایسے وقت ملی کہ میں یہ سعادت حاصل نہ کرسکا۔ لیکن جو حضرات اس نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے ان کا بیان ہے کہ کسی کی نمازِ جنازہ میں علماء کا اتنا بڑا اجتماع پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔

الحمدللہ، دارالعلوم کے تمام اساتذہ و طلبہ نے اسباق کی تعطیل کرکے نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ حضرتؒ کی روح پر فتوح پر ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔ قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ حضرتؒ کے لئے دُعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کو خود اپنی سعادت سمجھکر انجام دیں ؎

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
فضلِ حق تیری لحد پر رحمت افشانی کرے

محمد تقی عثمانی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے کفارِ مکہ کی طرف سے

ایک پیشکش

معارف القرآن ۞ سورہ حم السجدۃ

خلاصہ تفسیر

حٰمٓ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) یہ کلام رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ (کلام) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی (زبان میں) ہے (تاکہ جو بلاواسطہ اس کے مخاطب ہیں یعنی عرب لوگ وہ آسانی سے سمجھ لیں اور) ایسے لوگوں کے لئے (نافع) ہے جو دانشمند ہیں (یعنی اگرچہ مکلف اور مخاطب احکام سبھی ہیں مگر اُن سے نفع وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں قرآن ایسے لوگوں کو) بشارت دینے والا ہے اور (نہ ماننے والوں کے لئے) ڈرانے والا ہے سو (اس کا تقاضہ یہ تھا کہ سبھی اس پر ایمان لاتے مگر) اکثر لوگوں نے (اس سے) روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں اور (جب آپ اُن کو سناتے ہیں تو) وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو

بلاتے ہیں ہمارے دل اُس سے پردوں میں ہیں (یعنی آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی) اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ (لگ رہی) ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کئے جایئے۔ ہم اپنا کام کر رہے ہیں (یعنی ہم سے قبول کی اُمید نہ رکھئے ہم اپنے طریقۂ کار کو نہ چھوڑیں گے) آپ فرما دیجئے کہ (تمہیں ایمان پر مجبور کر دینا تو میرے بس کی بات نہیں، کیونکہ) میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں (خدا نہیں جو دلوں میں تصرف کر سکوں البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ امتیاز دیا ہے کہ) مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے (اور یہ وحی ایسی ہے کہ ہر شخص غور کرے تو اس کا حق و معقول ہونا اس کی سمجھ میں آسکتا ہے اور جبکہ میری نبوت اور وحی معجزات کے ذریعے ثابت ہو چکی تو میری بات بہرحال ماننا سب پر فرض ہے تمہارے قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ضرور قبول کرو) اُس (معبود برحق) کی طرف سیدھے باندھ لو (یعنی اس کے سوا کسی کی عبادت کی طرف توجہ نہ کرو) اور اس سے معافی مانگو (یعنی پچھلے اعمال شرکیہ سے توبہ کرو اور اپنی خطاء کی معافی مانگو) اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو (جو دلائل نبوت کو دیکھنے اور دلائل توحید کو سننے کے باوجود اپنے باطل طریقہ کو نہیں چھوڑتے اور) زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں (ان کے برخلاف) جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو (کبھی) موقوف ہونے والا نہیں۔

معارف و مسائل

یہ سات سورتیں جو حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں جن کو آل حٰمٓ یا حوامیم کہا جاتا ہے۔ باہم امتیاز کے لئے ان کے ساتھ نام میں کچھ اور الفاظ بھی شامل کئے جاتے ہیں مثلاً سورۂ مومن کے حٰمٓ کو حٰمٓ المؤمن اور اس سورت کے حٰمٓ کو حٰمٓ السجدہ یا حٰمٓ فصلت بھی کہا جاتا ہے اس صورت کے یہ دونوں نام معروف ہیں حٰمٓ فصلت اور حٰمٓ السجدہ۔

اس سورۃ کے پہلے مخاطب قریش عرب ہیں جن کے سامنے یہ قرآن نازل ہوا اور ان کی زبان میں نازل ہوا۔ انہوں نے قرآن کے اعجاز کا مشاہدہ کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات دیکھے۔ اس کے باوجود قرآن سے اعراض کیا اور سمجھنا کیا سننا بھی گوارا نہ کیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشفقانہ نصیحتوں کے جواب میں بالآخر یہ کہہ بیٹھے کہ آپ کی باتیں نہ ہماری سمجھ میں آتی ہیں، نہ ہمارے دل ان کو قبول کرتے ہیں نہ ہمارے کان ان کو سننے کے لئے آمادہ ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان تو دوہرے پردے حائل ہیں۔ بس اب آپ اپنا کام کریں، ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔

یہی مفہوم ہے اس سورت کی ابتدائی پانچ آیتوں کا۔ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے قریش کی خصوصیت سے اس کا اظہار فرمایا کہ قرآن کو عربی زبان میں تمہاری خاطر نازل کیا گیا کہ تمہیں اس کے مضامین سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ اس کے ساتھ قرآن کریم کی تین صفتیں بتلائی گئیں۔ اول یہ کہ فصلت آیاتہ، فصلت تفصیل سے ماخوذ ہے جس کے اصل معنی مضامین کو فصل فصل کر کے ممتاز کر دینا ہے

مراد اس سے کھول کر وضاحت سے بیان کرنا ہے، خواہ وہ مختلف فصلوں میں ہو یا ایک ہی جگہ قرآن کریم کی آیات میں احکام۔ قصص۔ عقائد۔ اہل باطل کا رد وغیرہ۔ مختلف مضامین کو الگ الگ بھی بیان کیا گیا ہے اور ہر مضمون کو مثالوں سے واضح کر کے سمجھایا گیا ہے۔ دوسری اور تیسری صفت قرآن کریم کی یہ بتلائی کہ وہ بشیر اور نذیر ہے یعنی اپنے ماننے والوں کو دائمی راحتوں کی خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو ابدی عذاب سے ڈراتا ہے۔

اور ان سب صفات کو بیان کر کے آخر میں فرمایا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ یعنی آیاتِ قرآن کا عربی زبان میں ہونا واضح اور صاف ہونا اور بشارت و نذارت پر مشتمل ہونا، یہ سب ایسے ہی لوگوں کو نفع دے سکتا ہے جو سوچنے اور سمجھنے کا ارادہ بھی کریں۔ يَعْلَمُونَ کے لفظ سے اس جگہ یہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مراد ہے اسی لئے خلاصہ تفسیر میں اس کا ترجمہ دانشمند سے کیا گیا ہے۔ مگر عرب اور قریش نے ان سب باتوں کے باوجود اس سے اعراض کیا، سمجھنا کیا سننا بھی گوارا نہ کیا۔ جس کا ذکر انہیں آیات میں فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ سے فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کفار مکہ کی طرف سے ایک پیشکش

کفار قریش جو اس سورت کے بلا واسطہ مخاطب ہیں۔ انہوں نے نزولِ قرآن کے بعد ابتداءِ اسلام میں زور و قوت کے ساتھ اسلام کی تحریک کو دبانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہونچا کر خوفزدہ کرنے کی بہت سی کوششیں کیں۔ لیکن اسلام ان کے علی الرغم بڑھتا اور قوت پکڑتا چلا گیا۔ پہلے عمر بن خطابؓ جیسے قوی اور جری داخل اسلام ہو گئے۔ پھر حضرت حمزہؓ جو قریش کے مسلم سردار تھے وہ مسلمان ہو گئے۔ تو اب قریش مکہ نے تخویف کا راستہ چھوڑ کر ترغیب اور لالچ کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا راستہ روکنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دیں۔ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ ہے جس کو حافظ ابن کثیر نے۔ مسند بزار۔ ابو یعلی اور البغوی کی روایتوں سے نقل کیا ہے ان سب روایتوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ ابن کثیر نے ان میں بغوی کی روایت کو سب سے زیادہ اشبہ و اقرب قرار دیا اور ان سب کے بعد محمد بن اسحٰق کی کتاب السیرۃ سے اس واقعہ کو نقل کر کے ان سب روایات پر اس کو ترجیح دی اس لئے یہ قصہ اس جگہ ابن اسحٰق ہی کی روایت کے مطابق نقل کیا جاتا ہے۔

محمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا بڑا سردار مانا جاتا تھا، ایک دن قریش کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے گوشہ میں اکیلے بیٹھے تھے۔ عتبہ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر آپ لوگوں کی رائے ہو تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کروں اور ان کے سامنے کچھ ترغیب کی چیزیں پیش کروں کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو قبول کر لیں تو ہم وہ چیزیں انہیں دیدیں۔ تاکہ وہ ہمارے دین و مذہب کے خلاف تبلیغ کرنا چھوڑ دیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی قوت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ عتبہ کی پوری قوم نے بیک زبان کہا کہ اے

ابوالولید (یہ اس کی کنیت ہے) ضرور ایسا کریں اور ان سے گفتگو کرلیں۔

عتبہ اپنی جگہ سے اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ گفتگو شروع کی کہ اے ہمارے بھتیجے آپ کو معلوم ہے کہ ہماری قوم قریش میں آپ کو ایک مقام بلند نسب اور شرافت کا حاصل ہے آپ کا خاندان وسیع اور ہم سب کے نزدیک مکرم و محترم ہے۔ مگر آپ نے قوم کو ایک بڑی مشکل میں پھنسا دیا ہے۔ آپ ایک ایسی دعوت لے کر آئے، جس نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ان کو بے وقوف بنایا، ان کے معبودوں پر اور ان کے دین پر عیب لگایا اور ان کے) جو آباؤ اجداد گزر چکے ہیں اُن کو کافر قرار دیا۔ اس آپ میری بات سُنیں، میں چند چیزیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ آپ اُن میں سے کسی کو پسند کرلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوالولید کہئے جو کچھ آپ کو کہنا ہے۔ میں سنوں گا۔

عتبہ ابوالولید نے کہا کہ اے بھتیجے، آپ نے جو تحریک چلائی ہے اگر اس سے آپ کا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کے لئے اتنا مال جمع کردیں گے کہ آپ ساری قوم سے زیادہ مالدار ہو جائیں۔ اور اگر مقصد اقتدار اور حکومت ہے تو ہم آپ کو سب قریش کا سردار تسلیم کرلیں گے اور آپ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے اور اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور اگر یہ صورت ہے کہ آپ کے پاس آنے والا کوئی جن یا شیطان ہے جو آپ کو ان کاموں پر مجبور کرتا ہے اور آپ اس کو دفع کرنے سے عاجز ہیں تو ہم آپ کے لئے ایسے معالج بلوائیں گے جو آپ کو اس تکلیف سے نجات دلا دیں اس کے لئے ہم اپنے اموال خرچ کریں گے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بعض اوقات کوئی جن انسان پر غالب آجاتا ہے جس کا علاج کیا جاتا ہے عتبہ یہ طویل تقریر کرتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہے۔

عظمت باری تعالیٰ اور ٹوپی کی اہمیت

از: حاجی قاری حافظ مولانا حبیب احمد صاحب مدظلہم العالی
خلیفہ مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح

اتباع سُنّت بہت بڑی چیز ہے، متبع سُنت جو حضرات ہوں گے، قیامت کے روز انشاء اللہ وہی آگے آگے ہوں گے۔

جو لوگ نماز سر کھول کر پڑھتے ہیں یہ مناسب نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس میں جائز و ناجائز کا سوال اُٹھاتے ہیں۔ یہاں جائز و ناجائز کا سوال نہیں ہے، یہ عظمت باری تعالیٰ کا سوال ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ عظمت باری تعالیٰ کس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یابنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد

(سورہ اعراف، رکوع ۳)

"تم زینت اختیار کرو ہر سجدے کے وقت"

آیت میں مسجد سے مراد ہے سجدہ اور جزء سے مراد ہے کل۔ سجدہ ایک جزء ہے نماز کا مراد اس سے کل ہے یعنی پوری نماز مراد ہے اور حکم دیا جا رہا ہے زینت اختیار کرنے کا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ سجدہ پوری نماز نہیں بلکہ پوری نماز کا ایک جزو ہے لیکن جزو بول کر کل یعنی پوری نماز مراد لی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔

اب جائز ہونے کو تو اگر کوئی شخص صرف لنگی (تہمد) پہنے رہے اور باقی کپڑے اُتار کر نماز پڑھے اور کسی عالم سے پوچھے کہ میری نماز ہوئی یا نہیں تو جواب یہی ملے گا کہ نماز ہوگئی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ نماز نہیں ہوئی مگر ایک ادنیٰ سمجھ والا بھی یہی کہے گا کہ نماز تو ہوگئی لیکن اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی کیونکہ ہر مومن کو اتنی سمجھ ہوتی ہے۔ فتوے کے اعتبار سے تو نماز ادا ہوگئی مگر جواب یہی ملے گا کہ پسند نہیں آئی چونکہ کھُلے سر نماز پڑھنے کی عادت عام ہوتی جاتی ہے، اس لئے میں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

دیکھنا یہ چاہیئے کہ کوئی چیز جو رائج ہوئی ہے اس پر عمل کرنے والے کس قسم کے لوگ ہیں، یہ کہاں سے رائج ہوئی ہے، اہلِ علم ہیں، اہلِ تقویٰ ہیں، اہلِ فہم ہیں یا یہ کہ جو اہلِ علم ہیں، اہلِ تقویٰ ہیں، اہلِ فہم ہیں، اہلِ دین ہیں، اہلِ شریعت ہیں وہ تو اس کے خلاف کرتے ہیں اور جو عامی ہیں جو نہ مسائل جانتے ہیں، نہ دین جانتے ہیں نہ پڑھے لکھے ہیں، ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اسی سے پتہ چلتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ پیروں پر کلام مجید رکھ کر پڑھتے ہیں، اُسی ہاتھ میں چپل ہے، اُسی ہاتھ میں قرآن مجید ہے، اس قسم کے لوگ نماز میں بھی کسی چیز کا لحاظ نہیں رکھتے۔

اتنے زمانے سے آپ یہاں رہ رہے ہیں، آئمہ الحرمین کو آپ نے کبھی بھی نہ دیکھا ہوگا کہ انہوں نے خالی ٹوپی سے ہی نماز پڑھ لی ہو بلکہ عام حالت سے زیادہ ہی زینت اختیار کی۔ انہوں نے یا تو صافہ باندھا یا اس پر رومال ڈالا تو تقلید کے لائق یہ لوگ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے واتبع سبیل من اناب الیّ یعنی اس شخص کی راہ پر چلو جو میری طرف رجوع ہوا اور اسی طریقے سے جو اہلِ علم ہیں کسی کو آپ نہ دیکھیں گے کہ بغیر زینت کے نماز ادا کرتے ہوں۔ یہ زینت اس لئے ضروری ہے کہ عظمت باری تعالیٰ اسی میں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جب نماز پڑھتے تھے تو ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے پاس جو قیمتی سے قیمتی لباس ہوتا تھا اس کو پہن کر نماز پڑھتے تھے۔ وہ بڑے امیر آدمی تھے اور قیمتی کپڑے بھی ان کے پاس رہتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ زینت اسی میں ہے اور جب یہ کپڑے نماز کے وقت کام نہ آئیں گے تو پھر کب کام آئیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے بہتر لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ جمال کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت وجمال اختیار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صافے کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ صافے سے جو نماز پڑھی جائے گی غالباً ۷ گنا فضیلت میں زیادہ ہے اور ایک طرف یہ بھی فرمایا ہے کہ مسلمان کے اور غیر مسلم کے صافے میں یہ فرق ہے کہ اس کے نیچے ٹوپی ہونی چاہیئے یعنی مسلمان کے عمامہ کے نیچے ٹوپی ہوتی ہے تو معلوم یہ ہوا کہ ٹوپی تو بہرحال ضروری ہے مسلمان کے لئے۔ صافہ ہو جب بھی ضروری ہے اور صافہ نہ ہو تو کتنی ضروری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہمیں دل میں بٹھانا چاہیئے، خود اپنے دل میں پیدا کرنا چاہیئے اور پیدا کرانا چاہیئے۔ یہ طرز عظمت کے خلاف ہے۔ کچھ لوگ حضور سے ثابت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے کبھی ایک بار ایسا بھی کیا ہے۔ کوئی چیز کبھی عذر کی وجہ سے یا بیان جواز کے لئے اگر ثابت ہوگئی تو وہ چیز سنّت معمول نہیں بنے گی وہ تو صرف اس لئے ہے کہ اگر کبھی اس طرح بھی ہوگیا کسی وجہ سے تو کیا نماز ہوگی یا نہ ہوگی، نماز ہو جائے گی۔ مگر اب اس کو اصل بنا لیا جائے اور اصل کو اس کے تابع بنا لیا جائے یہ کس طرح مناسب ہے اور کون سا اصول ہے۔ یہ ساری چیزیں عظمت کے خلاف ہیں اور اگر عظمت دل میں ہے بھی تو وہی جو ہم لوگوں میں سستی اور کاہلی کی عادت ہے اسی سے یہ ناشی ہے کہ کون اس کا اہتمام کرے، کون ہر وقت ٹوپی ڈھونڈے انا اللہ، ہر وقت تو ہم اسی طرح رہتے ہیں، اس وقت کہاں اہتمام کریں۔

یہ جو بددین ہیں مخالف ہیں ہمارے دین کے۔ انہی نے یہ سب کچھ نکالا ہے۔ ٹوپی پہننی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابۂ کرام کی سنّت استمراری ہے۔ صحابہ کرام اکثر صافہ باندھتے تھے یعنی ٹوپی اور صافہ اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔

اس سے سب سے بڑی چیز جو ہے وہ عظمت الٰہی ہے جائز اور ناجائز کو دیکھنا نہ چاہیئے، یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں ہے تو رونے کی چیز ہے، بس رونے کی چیز ہے۔

ہم نے مدینہ شریف میں دیکھا، ہم نے مکہ شریف میں بھی دیکھا کہ سیکڑوں عالم باعمل اور جن کو رسوخ فی العلم حاصل ہے اور رسوخ فی التقویٰ حاصل ہے، نہایت زینت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو تقلید ان سے کرنی چاہیئے یا ان لوگوں کی جو الٹے جاہل ہیں کہ ایڑیوں پر پیشاب کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو شرم و حیا بھی کوئی چیز نہیں، وہیں وضو کرتے ہیں وہیں پیشاب کر رہے ہیں، کیا ان کی تقلید کی جائے گی؟۔ ان کو تو سکھایا جائے گا، ان کو بتایا جائے گا، ان کی تقلید نہیں کی جائے گی۔ حرمین شریفین کے اور علماء کو دیکھیئے کیسے کرتے ہیں، ہم لوگ الٹا کرتے ہیں کیوں؟، یہ اس لئے کہ آزادی کا زمانہ

ہے اور نکالا ہے اس کو انگریز نے یعنی اولاً عام حالات میں برہنہ سر کی عادت ڈالی پھر نماز میں بھی وہی طریقہ جاری ہو گیا یعنی نماز میں تو ہمارے یہاں کے بچے بوڑھے سب ٹوپی تلاش کرتے تھے لیکن چونکہ انگریز ننگے سر رہتا تھا اس کی تقلید کی گئی کہ لوگ ننگے سر رہنے لگے۔ پھر ہوتے ہوتے یہ چیزیں اتنی بڑھیں کہ اکثر نماز میں بھی ننگے سر رہنے لگے۔

اس کا میں آپ کو ایک قصہ سناؤں۔ میں نے کبھی اس کیفیت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا نہیں تھا۔ ایک بار میری مسجد (مسجد میناشاہ کٹرہ) میں عصر بعد اسی قسم کے ایک جنٹلمین جو بظاہر اسٹوڈنٹ معلوم ہوتے تھے آئے۔ میں نے دیکھا کہ تنہا نماز پڑھ رہے ہیں اور بالوں کو خوب سنوارے ہوئے ہیں میں چار زانو جم کر ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور جب وہ نماز پڑھ چکے تو میں نے کہا۔

"یہ فیشن نماز میں بھی"

حالانکہ اس طرح مجھے نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ جب میں نے غصہ سے کہا تو تواضع سے کیسے جواب دیتے۔ کہنے لگے کہ آپ سے یہ تو نہ ہو سکا کہ رومال سے میرا سر ڈھک دیتے اور آپ غصہ دکھا رہے ہیں۔ میں نے کہا تمہارا سر کیسے ڈھانک دوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سو روپیہ گز کا پتلون پہنے ہوئے ہو، سو روپے گز کا کوٹ پہنے ہوئے ہو اور دو پیسے کی ٹوپی تمہیں میسر نہیں ہوتی، تم اس طرح عادی ہو، تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں ہے، اس لئے میں نے تمہارا سر نہیں ڈھکا۔ اتنا میں نے کہا تو بہت خفا ہوئے اور مارے غصے کے لال ہو گئے کہنے لگے کہ

"نہ ہوا علی گڑھ"

مجھے بھی غصہ تھا، میں نے کہا کہ "نہ ہوا دیوبند" آواز ان کی بھی تیز ہو گئی۔ مسجد کے نیچے سے لوگ سن رہے تھے جو نماز سے فارغ ہو کر بالائی منزل سے بھی نیچے گئے تھے۔ کچھ ابھی مسجد میں ہی تھے، انہوں نے بھی سنا۔ بیچارے مارے لحاظ کے پاس نہیں آئے کیونکہ میں ان کو کہہ رہا تھا لیکن وہ صاحب جب نیچے گئے تو ابرار حسین صاحب، محترم سید حسین صاحب ایڈیشنل کمشنر کے بڑے بھائی نیز سید اسرار حسین صاحب ان کے دوسرے بھائی، ان سب حضرات نے ان کو بہت ملامت کیا۔ یہ صاحب انہی کے مہمان تھے، ان سے کہ تم اتنا بھی خیال نہیں کرتے، ہر شخص سے بھڑ جاتے ہو، جاؤ معافی مانگو، تمہارے اندر ذرا بھی سلیقہ نہیں۔ خیر اس وقت تو نہیں آئے پھر دوسری نماز میں آئے، بڑی اعلیٰ درجہ

کی ٹوپی پہن کر آئے بال دار۔ میں بولا نہیں۔ پھر میرے پاس آئے کہنے لگے کہ معاف کیجئے گا میں سمجھا نہیں تھا کہ آپ کون ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں، خیر اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے ٹوپی پہن لی۔

تو جب فضیلت صافے پر ہے تو صافے پر سے اترے آدمی تو ٹوپی پر تو آوے۔ آپ کو یاد ہوگا یا سنا ہوگا کہ اذان میں اللہ کے نام کے وقت جس وقت کان میں آواز پڑتی ہے تو ہمارے گھر کی بوڑھیاں بھی جلدی جلدی سر ڈھک لیتی تھیں اور کسی کو ننگے سر اگر دیکھا جاتا تھا تو عامی آدمی بھی ٹوک دیتا تھا کہ اذان ہو رہی ہے، سر ڈھانک لو، آج یہ سب چیزیں ختم ہو گئی ہیں، عظمت چونکہ دل سے نکل گئی ہے، اس لئے یہ سب چیزیں ختم ہو گئیں۔

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز بیعت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کی خدمت میں حاضری کا موقع ہوا ہم لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت سو رہے تھے، دوپہر میں قیلولہ فرما رہے تھے جیسے ہی اذان کی آواز ان کے کان میں پڑی فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے یعنی ابھی کلمہ اللہ اکبر پورا ابھی نہ ہونے پایا تھا کہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑا وغیرہ سنبھالنے لگے، آستین ٹوپی وغیرہ۔

جن حضرات کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد رہتی ہے تو عظمت کے ساتھ رہتی ہے اور میں ایک بہت بڑی دلیل آپ کو بتاؤں جو مجھے انہی سے ملی ہے، اسی حج میں اس کی برکت اللہ تعالیٰ آپ کو عنایت فرمائے۔ وہ دلیل یہ ہے کہ جب احرام سے پہلے آدمی دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو بتایئے کس طرح پڑھتا ہے؟

وہی کفنی سر پر اوڑھ کر نماز پڑھی جاتی ہے۔ تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ ان دو رکعتوں میں کفنی سر پر رہے اور جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ اور نیت کر رہے ہو تو فوراً اس کو ہٹا دو، یہ عاجزی و انکساری اور عشق کا تقاضہ ہے تو معلوم یہ ہوا کہ اس سے پہلے معمول یہی تھا کہ نماز میں سر ڈھکا رہے اور مناسب بلکہ ضروری یہی ہے کہ معمول کے خلاف نہ کرو، اس سے پہلے معمول یہی ہے کہ سر ڈھانک کر نماز پڑھنا ہے۔ اب باقی رہا علماء کا فتویٰ دینا، میں یہ کہتا ہوں کہ صحیح نہیں ہے، ان کے ذمہ شریعت کی حفاظت بھی ہے، وہ شریعت کی حفاظت کے پیش نظر یہ فتویٰ نہیں دے رہے ہیں۔

خُذُوا زِینَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (سورۃ اعراف رکوع ۳)

صاف الفاظ میں موجود ہے، برہنہ سر نماز زینت کے خلاف ہے اور اگر کوئی فتویٰ دیتا ہے تو بڑی تفصیل کے ساتھ اس کو فتویٰ دینا چاہیئے۔

آپ نے پڑھا ہوگا کہ مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ لوگ بعض اوقات خاموش

رہتے ہیں۔ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ بولنا ضروری ہوتا ہے اور وہ خاموش رہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ صاحب دل شکنی ہوگی، اس لئے میں نے کچھ نہیں کہا۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ان کی تو دل شکنی ہوگی بولنے میں اور خاموشی میں ہماری دین شکنی ہوگی۔ تو اب دل شکنی اہم ہے یا دین شکنی اہم ہے، اس لئے بولنا ضروری ہے، نہ بولنے ہی سے تو آزادی آتی ہے اور اس حد تک آزادی پہنچ گئی ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ،

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (سورۃ احزاب رکوع ۴)

تو اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ گھر میں دین کا چرچا ہونا لازمی ہے، اگر دین کا چرچا نہیں ہوگا تو پھر دین کا گھر میں اثر نہیں رہے گا۔ دین کا چرچا ہونا ضروری ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (سورۃ احزاب رکوع ۴)

میرے خیال میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اس کا ترجمہ چرچا سے کیا ہے۔ "وَاذْكُرْنَ" "چرچا کرتی رہا کرو" اب یہ کتنے محاورے کے مطابق ہے "ایک تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "کہتی رہا کرو" "سنتی رہا کرو" اور ایک یہ کہ "چرچا کرتی رہا کرو" کیا معنی؟ یعنی بات بات میں روک ٹوک، بات بات میں روک ٹوک ـــ لیکن سب اخلاق کے ساتھ، ساری روک ٹوک اخلاق کے ساتھ ہو، اخلاق کے ساتھ ہی میں اثر پڑتا ہے، اس موقع پر حضرت تھانویؒ کی ایک بات یاد آئی۔

ایک صاحب انگلینڈ سے پڑھ پڑھا کر آئے اور وہاں کی تہذیب بھی سیکھ کر آئے۔ "ول" اور خدا جانے کیا کچھ بولنے لگے۔ اور جب آئے تو اپنے باپ سے بھی اسی قسم کی بات کی۔ بجائے "والد صاحب" کے کہا "ول فلان تم اچھے ہو"۔ حضرت تھانویؒ نے وعظ میں یہ بیان کیا۔ اتفاق سے مولانا کے وعظ میں وہ لوگ بھی موجود تھے۔ باپ بیٹے دونوں وعظ کے اندر تھے۔ بعد میں حضرتؒ کو پتہ چل گیا۔ اب یہاں دیکھنے کی یہ بات ہے کہ حضرت کا اخلاق کتنا وسیع تھا۔ جب پتہ چل گیا تو فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ بھی موجود ہیں تو میں وعظ میں اس طرح نہ کہتا، مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ وہ لوگ شرمندہ ہوئے ہوں گے۔ یہ اور بات ہے وہاں دوسری بات ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارًا ط

اے ایمان والو بچاؤ اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اے امیر المومنین کس طرح بچائیں، کس طرح بچائیں اپنے اہل خانہ اور متعلقین کو دنیاوی فتنوں اور خرافات باتوں سے؟ فرمایا کہ "دین سکھا کر"۔ "دین سکھا کر"۔ یہ وہی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے "واذکرن مایتلیٰ فی

فی بیوتکن من آیت اللہ والحکمۃ " میں فرمایا ہے:

"انسان کی موت وحیات آزمائش کے لئے ہے":

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط (سورہ ملک رکوع ۱)

معلوم یہ ہوا کہ موت اور حیات ہمارے امتحان کے لئے پیدا ہوئی ہے، امتحان ہمارا یہی ہے کہ اللہ کے دین کی اشاعت اپنی زندگی میں اور دوسروں کی زندگی میں کرتے رہیں، اس سے جو جتنا زیادہ اثر لے سکتا ہے وہی کامیابی حاصل کر سکے گا، جتنا اثر لے گا اتنا ہی کامیاب ہوگا۔

خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً ط

اسی لئے ایک جگہ قرآن پاک میں آیا ہے ؎

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورہ اعراف رکوع ۲۰)

ہماری عبادت، نماز وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں "نسک" کے معنی عبادات کے بھی ہیں اور حج کے بھی آتے ہیں۔ ہماری عبادتیں ساری اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں "اِنَّ صلاتی" کہہ کر نماز کو الگ کر دیا۔ عبادت وہ بھی ہے مگر تمام عبادتوں میں اس کو سب سے زیادہ اہمیت ہے، اس لئے اہمیت کی وجہ سے اس کو علیحدہ بیان کیا ہے اور ہماری حیات وموت یعنی کل زندگی اللہ لاشریک کے لئے ہے، مومن کی حیات وموت جب اللہ کے لئے ہے تو "اللہ کے لئے" ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ ہر وقت خود بھی یہ دیکھے کہ اللہ کی مرضی کے مطابق کون سا راستہ ہے اور اس کی مرضی کس میں ہے جہاں انسان چوکا اور اللہ کی مرضی کا خیال نہ کیا بس فیل ہو گیا "خلق الموت والحیواۃ" انسان آزمائش میں ہے، میں نے جو کچھ عرض کیا بس اس کا خلاصہ یہ ہے "الدین کلہٗ ادبٌ"۔

ہم جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں تو ہم اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے "تعالیٰ" کہتے ہیں۔ "تبارک وتعالیٰ" کہو۔ "جل شانہٗ" کہو، "سبحان اللہ" کہو۔ اللہ بزرگ و برتر کی عظمت ظاہر کرو۔ اس کی عظمت دل میں بھی ہو اور زبان سے بھی ظاہر کرو۔ اگر زبان سے ظاہر نہ ہو تو دل میں جو چیز ہے، وہ معتبر نہیں ہے اگر وہ چھلک کر اوپر نہ آجائے معتبر نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ حضرت مولانا عبد المجید بچھرایونی حضرت تھانوی کے بڑے خلفاء میں سے تھے اور معاف کرنا تو جانتے ہی نہ تھے یعنی سامنے کہہ دینا، نصیحت کرنا اور ہدایت کرنا ان کا خاص طرز تھا۔ لوگوں نے اس عادت سے متعلق حضرت مولانا تھانوی سے کہا کہ ان کا مزاج ایسا ہے۔ مولانا نے فرمایا "ایسے لوگ بھی ہونے چاہئیں"۔ مولانا

پھولپوری ایک مرتبہ الٰہ آباد آئے اور ایک صاحب کے ساتھ جارہے تھے۔ ان صاحب کا نام شاکر خان تھا۔ انہوں نے خود یہ واقعہ بتایا۔ کہنے لگے دُور سے ایک صاحب آتے ہوئے نظر آئے تو میں نے ان (مولانا پھولپوری رحؒ) سے کہا کہ حضرت ان کے دل میں آپ کی بڑی محبت ہے۔ خاموش رہے۔ جب وہ صاحب ان کے پاس سے گزرے تو ان پر ہیبت طاری ہوگئی یا کیا ہوا، کیا بات ہوئی کہ انہوں نے مولانا کو سلام تک نہیں کیا۔ جب وہ آگے نکل گئے تو مولانا نے فرمایا "کیوں جی تم تو کہہ رہے تھے کہ ان کے دل میں تمہاری بڑی محبت ہے اور انہوں نے تو سلام تک نہ کیا"۔ شاکر خان نے تعجب سے کہا، پتہ نہیں کیا ہوا، کیوں نہیں سلام کیا۔

حضرت فرمانے لگے "وہ بھی محبت کیا ہے جو چھلک کر اُوپر نہ آجائے، خالی دل میں ہو تو کیا حاصل"۔ فرمایا جو اندر ہوگی وہ اوپر ضرور آئے گی، لبریز ہوگا برتن تو چھلک کر اوپر آجائے گا۔ کچھ نہ کچھ تو اثر ہوتا ہے۔ گھڑے میں ٹھنڈا پانی رکھ دیجئے، اُوپر سے دیکھ لیجئے گھڑا ٹھنڈا ہوگا۔ گرم پانی رکھ دیجئے اُوپر سے دیکھئے گھڑا بھی گرم ہوگا جو اندر ہے اس کا اثر باہر آنا بھی ضروری ہے۔ یہ ساری چیزیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی قلب میں کمی ہے۔ ہمارے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عظمت کی کمی ہے۔ میں پھر اپنے اسی بیان کی طرف لوٹتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ اور اس قسم کے دوسرے احترامی الفاظ سب کے ہم مامور ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام جب آئے تو اس طرح لیا جائے اور ایسے بیٹھ جاؤ، ایسے مؤدب ہو جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کیا ہے کہ درود شریف پڑھو، کچھ نہ ہو تو ایک ہی دفعہ پڑھو۔ یہ واجب قرار دے دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کا نام آئے تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتا دیا ہے کہ "رضی اللہ عنہ" کہو۔ بزرگانِ دین کا نام آتے تو "رحمۃ اللہ علیہ" کہو۔ "قدس سرہٗ" کہو۔ یہ ساری چیزیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اصل چیز جو ہے وہ عظمت ہے۔ دل میں اہتمام نہ کیا گیا۔ نماز میں عظمت پیدا کرنے کا تو بڑے خسارے کی بات ہے۔ آپ نے پڑھا ہوگا دو فرشتے ہر انسان پر مسلط ہیں ایک اِدھر (دائیں طرف) ایک اُدھر (بائیں طرف) ہوتا ہے اور ہمارے اعمال کو لکھا کرتے ہیں۔ اب اگر نماز ٹھیک سے پڑھی، اہتمام کے ساتھ پڑھی کہ وساوس اور خطرات نہ آئیں، باوجود اہتمام کے آگئے وہ دوسری بات ہے تو ایسی نماز دربارِ الٰہی میں لیکر پہنچتے ہیں اور وہ قبول ہو جاتی ہے اور جس نماز کو اہتمام کے ساتھ نہ ادا کیا قصداً خود ہی اِدھر اُدھر خیال لے گیا اہتمام نہ کیا روکنے کا تو اس کا عذاب تو ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ عظمت کے خلاف کیا گیا ہے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایسی نماز لپیٹ کر فرشتے منہ پر مار دیتے ہیں بس عطائے تو بہ تعدائے تو۔

اب قیامت کے دن مولوی صاحب کا فتویٰ کام نہ دے گا۔ مولوی صاحب یہ کہہ دیں گے کہ اس کی نماز ہو گئی، کوئی جا کر کے عالم سے پوچھے کہ اس کی نماز ہو گئی ہے؟ اس نے ٹھیک سے وضو کیا ہے، طہارت بھی کی، جگہ بھی پاک تھی لیکن دل اِدھر اُدھر رہا۔ خشوع و خضوع نام کو بھی قریب نہیں آیا۔ اس کی نماز ہو گئی کہ نہیں۔ مولوی صاحب کہیں گے نماز تو ہو گئی اور وہاں منہ پر لپیٹ کر فرشتوں نے مار دیا تو یہ مولوی صاحب کا فتویٰ کام نہیں دے وہ تو ایک ظاہر صورت تھی۔ یہاں یہ ہے کہ اب یہ توبہ کرے استغفار کرے، معافی مانگ لے۔ اللہ تعالیٰ سے کہ یا اللہ بڑی غلطی ہوئی، کوتاہی ہوئی معافی چاہتا ہوں تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں گویا قبول کرا دیا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے، بہت ضروری چیز ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں بٹھائی جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نئی کارمینا
نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

انسان کی تن دُرستی کا زیادہ تر انحصار معدے اور جگر کی صحت مند کارکردگی پر ہے۔ اگر نظامِ ہضم درست نہ ہو تو دردِ شکم، بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، گرانی یا بھوک کی کمی جیسی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب غذا صحیح طور پر جزوِ بدن نہیں بنتی اور صحت رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگتی ہے۔

پاکستان اور دنیا کے بہت سے ممالک میں ہمدرد کی کارمینا پیٹ کی خرابیوں کے لیے ایک مؤثر نباتی دوا کے طور پر شہرت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ ہر گھر کی اہم ضرورت ہے اس لیے ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں اس کی افادیت پر ہمہ وقت تحقیق و تجربات کا عمل جاری رہتا ہے۔ نئی کارمینا اسی تحقیق کا حاصل ہے۔ نئی کارمینا کو پودینے کے جوہر اور دیگر مفید و مؤثر اجزا کے اضافے سے زیادہ قوی، پُرتاثیر اور خوش ذائقہ بنا دیا گیا ہے۔
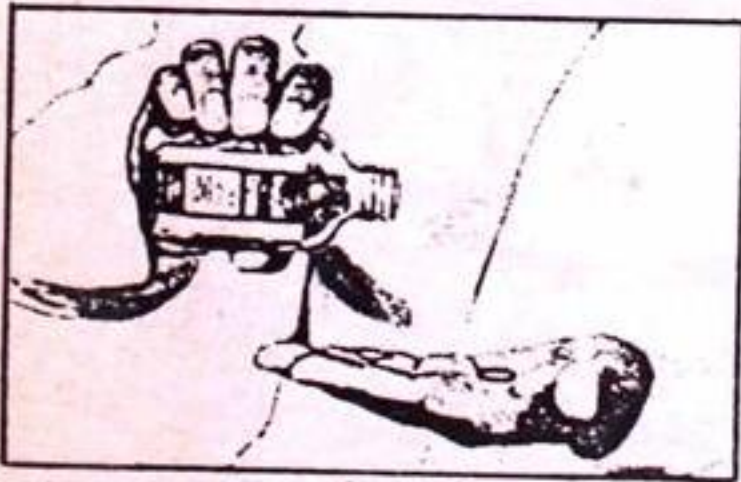
نئی کارمینا نظامِ ہضم کو بیدار کرنے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و دُرست رکھنے میں زیادہ کارگر ہے۔

بچوں، بڑوں سب کے لیے مفید
نئی کارمینا
ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آواز اخلاق
تحقیق رُوحِ تخلیق ہے

CAR- 4.88

قسط دوم

متعلم دورۂ حدیث، دار العلوم کراچی

جمعہ کے دن حق تعالیٰ شانہ کی زیارت

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ پس ابوہریرہؓ نے سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تم کو جنت کے بازار میں جمع کرے۔ سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا جنت میں بازار بھی ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو جنت میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق قیام فرمائیں گے۔ پھر ان کو ایام دنیا میں سے جمعہ کے دن کی مقدار میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے اجازت دی جائے گی یعنی ہفتہ میں ایک دن زیارت کیا کریں گے! ور اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمایا کریں گے۔ پہلے سب لوگ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں جمع ہوں گے پس اس باغ میں نور کے موتیوں کے، یاقوت کے، زبرجد کے اور سونے چاندی کے منبر بچھائے جائیں گے اور اعمال کے اعتبار سے جو کم مرتبہ کے لوگ ہوں گے، وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر فروکش ہوں گے اور ان کو یہ خیال نہیں ہوگا کہ وہ کرسی نشیں حضرات کو اپنے سے بہتر جگہ بیٹھنے والا سمجھیں یعنی بیٹھنے میں فرق مراتب ہوگا لیکن

دل میں اس فرق مراتب کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھ سکیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں آفتاب کے دیکھنے میں یا چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں کوئی شک ہوتا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح تم کو اپنے رب کے دیکھنے میں کوئی شک نہ ہوگا اور اس مجلس میں کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست کلام نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ ان حاضرین میں سے ایک شخص سے فرمائے گا کہ اے فلاں ابن فلاں تجھ کو وہ دن یاد ہے کہ جس دن تو نے ایسا ایسا کہا تھا پھر اس کو اس کی بعض عہد شکنیاں یاد دلائے گا جو دنیا میں اس سے واقع ہوئی تھیں۔ یہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب کیا تو نے میرے وہ گناہ بخش نہیں دیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بے شک بخش دیئے اور یہ میری رحمت کی وسعت اور میری مغفرت کی فراخی ہے کہ جس کے باعث تو اس مرتبہ پر پہنچا ہے۔ پس اہل مجلس اس حال میں ہوں گے کہ ان کے اوپر ایک ابر آئے گا اور ان کو ڈھانک لے گا۔ یہ بادل بجائے پانی کے ان پر ایسی خوشبو برسائے گا جو اس سے پیشتر سونگھنے میں نہ آئی ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اور ہمارا رب فرمائے گا کہ آؤ اس بزرگی اور کرامت کی طرف جو میں نے تمہارے لئے تیار کی ہے اور جس قدر تم کو خواہش ہو وہ لے لو یعنی خوب اچھی طرح دل بھر کر اس خواہش کو حاصل کرو اس کے بعد ہم ایک بازار میں آئیں گے جن کو ملائکہ نے اپنے پروں سے ڈھانک رکھا ہوگا اور اس میں وہ سامان ہوگا جس کو آنکھوں نے نہ کبھی دیکھا ہوگا اور نہ کبھی کانوں نے سُنا ہوگا اور نہ کبھی کسی کے دل میں اس کا تصور گزرا ہوگا جس نعمت کو ہم چاہیں گے وہ اس بازار میں ہم کو دی جائے گی۔ اس بازار میں بیع و شرا نہیں ہوگی۔ اس بازار میں اہل جنت آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ اسی روایت میں ہے کہ جب ہم سب لوٹ کر اپنے اپنے محلوں میں آجائیں گے تو ہم سے ہماری بیویاں ملاقات کریں گی اور کہیں گی کہ مبارک ہو اور شادمانی ہو، کیا بات ہے؟ کہ تمہارے حسن و جمال اس وقت سے زیادہ ہوگیا ہے جس وقت تم ہمارے پاس سے گئے تھے، پس ہم لوگ اپنی اپنی بیویوں کے جواب میں کہیں گے: آج ہم نے اپنے ربِ جبار کے ساتھ ہم نشینی کا فخر حاصل کیا ہے اور ہم اس تبدیلی کے لائق ہیں جو ہم میں پائی جا رہی ہے (ترمذی شریف)

یعنی ہمارے حسن و جمال میں جو تبدیلی ہوگئی ہے، اس کے ہم مستحق ہیں کیونکہ ہم حضرت

حق تعالیٰ شانہٗ کے صحبت یافتہ ہیں۔ روایت بہت طویل ہے، مختصراً ذکر کی جارہی ہے، نور کے منبروں کا مطلب یہ ہے کہ اسی قدر چمکدار ہوں گے کہ گویا نور ہی کے بنے ہوئے ہیں۔

جمعہ کا دن عید کا دن ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے، اُن کے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا جس میں ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ جبرئیل علیہ السلام یہ کیا ہے، انہوں نے کہا یہ جمعہ کا دن ہے۔ میں نے کہا اس میں ہمارے لئے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس میں آپ کی اور آپ کی قوم کی عید ہے۔ اسی روایت میں ہے کہ میں دریافت کیا کہ اس میں ہمارے لئے اور کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جب بندہ اس گھڑی میں کوئی سوال اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے خواہ دنیا کا ہو یا آخرت کا ہو تو اگر اس کی قسمت میں ہے تو اس کو دے دیا جاتا ہے اور اگر مقدر میں نہیں تو اس کے لئے وہ دعا ذخیرہ کردی جاتی ہے، میں نے دریافت کیا کہ یہ سیاہ نقطہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ قیامت ہے اور قیامت اسی دن قائم ہوگی۔ یہ دن ہمارے نزدیک سیّد الایّام ہے۔ قیامت میں اس دن کو یوم المزید کہا جائے گا۔ میں نے کہا کہ آخرت میں اس کا نام یوم المزید کیوں ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنّت میں ایک ایسا میدان رکھا ہے جو سفید مشک کا ہے، جمعہ کے دن اللہ جل شانہٗ کرسی پر جلوہ فگن ہوں گے اور تمام میدان میں سونے کے منبر بچھائے جائیں گے، ان منبروں میں جواہرات جڑے ہوئے ہوں گے، پھر انبیاء علیہم السلام ان منبروں پر بیٹھیں گے، پھر بالاخانے والے آئیں گے اور مشک کے میدان میں بیٹھیں گے، پھر اللہ جل شانہٗ ان پر تجلّی فرمائیں گے اور کہیں گے مجھ سے مانگو تم کو دیا جائے گا، وہ کہیں گے تیری رضامندی مطلوب ہے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ میری ہی رضا نے تم کو میرے گھر اتارا ہے اور میری عزّت سے تم کو نوازا ہے، تم مانگو میں تم کو عطا کروں۔ بندے عرض کریں گے کہ ہم تیری رضامندی ہی چاہتے ہیں۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ تم گواہ رہو، میں تم سے راضی ہوگیا، پھر اللہ جل شانہٗ ان کے سامنے وہ چیز ظاہر کرے گا جس کو نہ کسی کان نے سُنا، نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے قلب نے اس کا تصوّر کیا۔ یہ مجلس جمعہ کے دن کی مقدار قائم رہے گی پھر وہ چیز ہٹالی جائے گی اور اس کے ساتھ تمام اہلِ مجلس اپنے اپنے مقامات پر لوٹ جائیں گے (ابن ابی شیبہ)

اسی سال کے گناہ معاف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھے،

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا

اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسی سال کی عبادت کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا اور دار قطنی کی ایک روایت میں یہ درود "النبی الامی" تک ہے اور اس روایت کو حافظ عراقی نے "حسن" بتایا ہے۔ اور الجامع الصغیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر حسن کی علامت لگائی ہے (ماخوذ از فضائل درود شریف)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد مندرجہ بالا درود شریف اسی بار ہمیشہ پڑھتے تھے اور خدام کو بھی اس کی تاکید تھی۔

جمعہ کے مبارک دن کثرت درود شریف کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میرے اوپر جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف بھیجا کرو اس لئے کہ یہ ایسا مبارک دن ہے کہ ملائکہ اس میں حاضر ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ درود اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے انتقال کے بعد بھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں انتقال کے بعد بھی۔ اللہ جل شانہ نے زمین پر یہ بات حرام کر دی ہے کہ وہ انبیاء کے بدنوں کو کھائے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے رزق دیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میرے اوپر روشن رات (جمعہ کی رات) اور روشن دن (جمعہ) میں کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے اور میں تمہارے لئے دعا و استغفار کرتا ہوں۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن درود شریف کی زیادہ فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر ساری مخلوق کی سردار ہے اس لئے اس دن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اور دنوں کو نہیں۔

جمعہ کی سُنّتیں اور آداب

○ جمعہ کا اہتمام جمعرات سے کرنا (بہشتی گوہر)
○ جمعرات کے دن عصر کے بعد استغفار وغیرہ کثرت سے کرنا (بہشتی گوہر)
○ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ الم سجدہ اور ھل أتی علی الانسان پڑھنا البتہ کبھی کبھی چھوڑ دینا چاہیئے (بہشتی گوہر)
○ سر کے بالوں کا حلق کروانا ورنہ ان میں تیل وغیرہ لگا کر خوب اچھی طرح کنگھی کرنا اور بیچ سے مانگ نکالنا (مراقی الفلاح)
○ ناخن کُترنا، بغلوں اور زیر ناف بال کاٹنا اور مونچھیں کترنا (مراقی الفلاح)
○ سُنّت کے مطابق خوب اچھی طرح غسل کرنا (بہشتی گوہر عالمگیری)
○ تیل موجود ہو تو تیل لگانا۔
○ موجود کپڑوں میں جو سب سے اچھے ہوں انہیں پہننا، نیز سفید لباس پہننا (عالمگیری)
○ خوشبو لگانا (بہشتی گوہر)
○ مسواک کرنا (بہشتی گوہر و عالمگیری وغیرہ)
○ جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جانا لیکن سواری پر جانا بھی جائز ہے (بہشتی گوہر و عالمگیری وغیرہ)
○ جامع مسجد بہت سویرے جانا (بہشتی گوہر)
○ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد کی طرف جاتے ہوئے وقار اور سکون کے ساتھ چلنا اور اپنی نظریں نیچے جھکائے ہوئے چلنا تاکہ نامناسب چیزوں پر نظر نہ پڑے (عالمگیری)
○ صفِ اوّل میں بیٹھنا، اگر کسی کو تکلیف دیئے بغیر بیٹھنا ممکن ہو (عالمگیری)
○ جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون یا سبح اسم ربك الاعلی اور ھل اتاك حديث الغاشية پڑھنا (بہشتی گوہر)
○ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے یا بعد میں سورہ کہف پڑھنا (بہشتی گوہر)
○ جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنا (بہشتی گوہر)

جمعہ کی اہمیّت و عظمت

وعن ابی لبابة المنذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یوم الجمعة سید الایام

واعظمها عند الله وهو اعظم عند الله من
يوم الاضحیٰ ویوم الفطر وفیه خمس خلال خلق
الله فیه آدم واهبط الله فیه آدم الی الارض
وفیه توفی الله آدم وفیه ساعة لا یسأل الله فیها
العبد شیئاً الا اعطاه الله مالم یسأل حراماً وفیه تقوم
الساعة مامن ملک مقرب ولا سماء ولا ارض ولا
ریاح ولا جبال ولا بحر الا وهن یشفقن من یوم الجمعة
(الترغیب والترهیب بحواله ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت لبابۃ المنذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن اللہ جل شانہٗ کے نزدیک تمام ایام کا سردار اور سب سے زیادہ عظمت والا دن ہے اور اللہ جل شانہٗ کے ہاں اس کی عظمت عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن سے بھی زیادہ ہے اور اس میں پانچ اہم کام ہوئے اور وہ یہ ہیں اسی دن اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا اور اسی دن اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی اور اسی دن ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے کہ بندہ اللہ جل شانہٗ سے اس میں جو دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی اور اس کی وجہ سے فرشتے اور آسمان اور زمین اور ہوائیں، پہاڑ اور سمندر سب کے سب جمعہ کے دن سے ڈرتے ہیں۔

(الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ماجہ)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن بڑا اہم دن ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ کارخانہ عالم بھی اسی دن فنا ہوگا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی اور دوسرے اہم اہم امور بھی اسی روز وجود میں آئے جو درج ذیل ہیں۔

- اس روز اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔
- اسی دن اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر زمین

پر اُتارا۔

○ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی۔

○ اسی مبارک دن میں ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ اس میں بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے کوئی سوال کرتا ہے اور دعا کرتا ہے تو اس کی وہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے البتہ اگر کوئی حرام اور ناجائز چیز کا سوال کرے تو پھر اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

○ چونکہ اس دن قیامت برپا ہوگی اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرب فرشتے آسمان، پہاڑ اور سمندر سب کے سب اس دن سے ڈرتے ہیں۔

نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن ایام میں سورج طلوع ہوتا ہے، ان میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی دن وہ بہشت میں داخل ہوئے، اسی دن انہیں بہشت سے نکالا گیا اور زمین پر اُتارا گیا۔

جمعہ کے دن کا مختصر دستور العمل

جمعہ کے دن کی اہمیت اور اس کی عظمت شان کے پیش نظر ہمارے اکابرؒ نے اس دن کے واسطے مختصر دستور العمل بتایا ہے وہ یہ ہے:۔

○ جمعہ کے دن فجر سے لیکر غروب آفتاب تک کسی بھی وقت ایک مرتبہ سورۂ کہف پڑھ لیا کریں۔

○ صلاۃ التسبیح کا خاص اہتمام کریں۔

○ کثرت سے درود شریف پڑھیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوگا اور بزرگوں نے کثرت سے درود شریف پڑھنے کے تین درجے بتلائے ہیں۔

(الف) اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھیں۔

(ب) متوسط درجہ یہ ہے کہ ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھیں۔

(ج) ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سو مرتبہ درود شریف پڑھیں۔

○ سُنّت کے مطابق آراستہ ہوکر مسجد میں اذانِ اوّل سے پہلے پہنچ جائیں۔

جمعۃ المبارک اور ہماری کوتاہیاں

قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ سے واضح ہوا کہ جمعہ کا دن عبادت کا دن ہے اور اس

دن عبادت کرنے میں خصوصی برکات و فضائل کا وعدہ ہے ۔ اس دن حق تعالیٰ کی بندگی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ۔ جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ حق تعالیٰ کے عبادت گزار اور فرماں بردار بنتے اور گناہوں سے توبہ کرتے اور ان سے بچنے کا اہتمام کرتے مگر صد افسوس! ہم نے اس دن کی عظمت کو نہ پہچانا اور اس دن کی برکتیں حاصل کرنے پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اُلٹا حق تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر کس لی اور اس دن ایسی چھٹی منائی کہ تمام احکام دین اور ترغیبات دین کو فراموش کر دیا اور فسق و فجور اور کھیل کود میں مشغول ہو گئے ۔ اس پر جتنا بھی غم کیا جائے کم ہے لہٰذا ذیل میں اپنی کچھ کوتاہیوں اور غفلتوں کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ خدا کے لئے ان کو دور کریں اور دین و دنیا کے خسارے سے بچیں ۔

○ جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید کا دن ہے اور چھٹی کا دن ہے لیکن افسوس!! ہم نے آج اس چھٹی کے دن کو یہود و نصاریٰ کی طرح کا چھٹی کا دن سمجھ لیا ہے اور اس دن میں ہر وہ کام کرنے لگے ہیں جو یہود و نصاریٰ اور غیر مسلم اپنے خوشی کے دن کیا کرتے ہیں یعنی عیاشی و فحاشی و بے حیائی و بے غیرتی اور بے شمار منکرات و فواحشات کا ارتکاب ——— ہم بھی شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر چھٹی کے دن کا یہی مطلب سمجھ بیٹھے ہیں اور جمعہ کے دن احکام الٰہی اور اس کی اطاعت کو فراموش کر کے خدا کی نافرمانیوں میں گزارنے لگے ہیں ۔ نہ جمعہ کی نماز سے ہمارا کوئی واسطہ اور نہ اس دن کے فضائل و برکات حاصل کرنے سے کوئی غرض العیاذ باللہ!! حالانکہ حقیقت میں مسلمانوں کی چھٹی اور عید حدود کے اندر رہتے ہوئے مسرت اور خوشی کے ساتھ اس کی عبادت اور طاعت کی طرف متوجہ ہونے اور احکام الٰہی ادا کرنے کے واسطے ہے ۔

○ بعض لوگ اپنے مشغلوں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھروں کو جاتے ہوئے ویڈیو کیسٹوں کی دکانوں پر نظر آتے ہیں اور جمعرات کو ایسے لوگوں کا کافی ہجوم ہوتا ہے اور وہ ان دکانوں سے غیر ملکی برہنہ اور حیا سوز فلمیں خرید کر یا کرایہ پر لے کر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں اور اس طرح یہ مبارک رات ساری یا اکثر فلمیں و ناچ گانے اور ڈرامے وغیرہ دیکھنے میں گزارتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ اپنے گھروں سے اپنے پڑوسیوں اور محلے والوں کو ٹی وی کے تار لگا کر دوسروں کے لئے بھی اس سیاہ کاری کے داعی بنتے ہیں اور رات دن خدا تعالیٰ کے غضب کو آواز دیتے ہیں، ایسی فلمیں دیکھنا بذات خود ناجائز ہے اور اس مبارک شب میں اور زیادہ حرام اور غضب الٰہی کا موجب ہے جس سے بہر حال بچنا ضروری ہے ۔

○ تمام رات فلمیں دیکھنے میں گزارنے کی وجہ سے ایسے لوگوں کی اکثر فجر کی نماز قضا ہوتی ہے جو مستقل گناہ کبیرہ ہے

○ کچھ نوجوان جمعہ کے دن صبح سے لیکر عصر تک کرکٹ اور ہاکی کھیلنے کے لئے نکل جاتے ہیں اور وہ نہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور نہ دیگر احکام دین کی طرف توجہ دیتے ہیں، گویا ان کی زندگی کا مقصد ہی لہو لعب ہے جس میں وہ اس بابرکت دن کو ضائع کر دیتے ہیں اور ان میں سے کچھ نماز جمعہ کے لئے آتے بھی ہیں تو اس کے آداب کی رعایت نہیں ہوتی اور خطبہ، نماز کا کچھ حصہ ضائع کر دیتے ہیں۔

○ بعض لوگ جمعہ کے دن دکان کھولے نظر آتے ہیں اور وہ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد بھی اپنا کاروبار جاری رکھتے ہیں جو جائز نہیں، جمعہ کی اذان اوّل سے پہلے اور نماز جمعہ کے بعد کاروبار جائز ہے لیکن پہلی اذان کے بعد کاروبار اور دنیا کا ہر وہ کام جو نماز جمعہ کی تیاری اور شرکت میں رکاوٹ ہو جائز نہیں۔ نماز جمعہ کے لئے جلد از جلد تیار ہوکر مسجد میں حاضری کی فکر کرنی چاہیئے۔

○ بعض لوگ جمعہ کے دن بازاروں کی غیر ضروری خریداری میں بہت سا وقت برباد کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے جمعہ کی تیاری میں بہت خلل واقع ہوتا ہے۔ یہ بھی قابلِ اصلاح بات ہے۔

○ بعض ملازمت پیشہ لوگ اور زراعت پیشہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے نہ غسل کا اہتمام کرتے ہیں اور نہ اچھے اور عمدہ کپڑے پہننے کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ اپنے عمومی لباس میں اور بعض مرتبہ گھریلو لباس میں جسے پہن کر وہ شرفاء اور تمام تقریبات میں نہیں جاسکتے، مسجد میں نماز جمعہ کے لئے آجاتے ہیں، ایسی صورت میں جمعہ کی نماز تو ہو جاتی ہے مگر ایسے لباس میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ نماز جمعہ کے لئے عمدہ سے عمدہ لباس جو موجود ہو اسے زیب تن کر کے آنا چاہیئے۔ سُنّت طریقہ یہی ہے۔

○ بعض لوگ اپنی دکانوں پر یا اپنے گھروں میں پڑے رہتے ہیں اور انہیں کوئی ایسی مجبوری یا مصروفیت بھی نہیں ہوتی جو مسجد کی حاضری میں مانع ہو لیکن محض سستی ہے جو بہت بری بات ہے اور سخت محرومی اور خسارے کی بات ہے۔ ان کو چاہیئے کہ جلد سے جلد مسجد میں حاضری دیں اور جو کچھ بن پڑے ذکر و نوافل اور تلاوت کا اہتمام کریں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

○ ہم میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ وہ اس مبارک دن اور دوسرے دنوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے اور اس دن کی عظمت شان کے عیاں ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور بعض وہ ہیں جن کو توفیق تو ہوتی ہے لیکن اس قدر خفیف کہ دو فرضوں میں شریک ہو گئے وہ بھی بھاگتے دوڑتے۔

اللہ جل شانہٗ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے ہم سب کو ہدایت عطا فرماکر سب کوتاہیوں کو دور کرنے کی فکر و توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) وصلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم
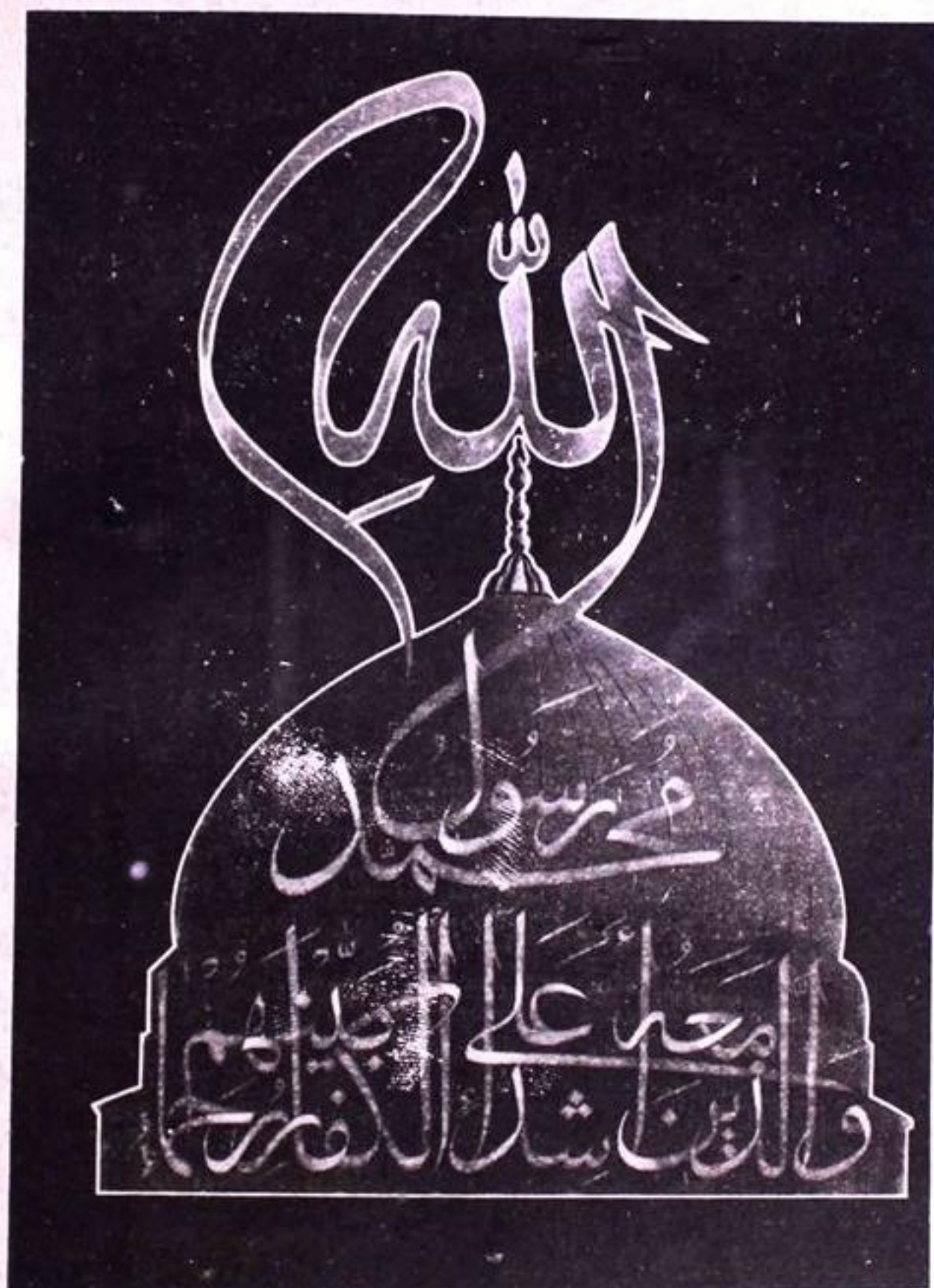
پاک اکیڈمی کی چند مطبوعات

عالم اسلام کے خلاف سازشیں	عزیز الرحمن قریشی	۱۲/-
مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ	مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی	۴۰/-
ہندوستان میں مسلم فرقہ واریت	پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری	۱۰/-
وسیلہ اور اس کی حقیقت	شیخ نسیب الرفاعی مترجم مولانا مختار احمد ندوی	۱۰/-
کتاب المعارف تاریخ الانساب	ابن قتیبہ مترجم سلام اللہ صدیقی	۴۵/-
حیات شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب	علامہ مختار احمد ندوی	۱۵/-
امیر المومنین امیر معاویہؓ	مولانا علی احمد عباسی	
تذکرۃ الائمہ	ملا باقر مجلسی	۲۵/-

درج بالا نایاب کتب حاصل کرنے کا پتہ

پاک اکیڈمی بک سیلرز پبلشرز پوسٹ بکس ۴۹۶ جی پی او۔ کراچی

مطبوعات انجمن اُسوہ حسنہ پاکستان

مذہبی داستانیں اور اُن کی حقیقت

قرآن وحدیث، تاریخ وفنِ رجال کی روشنی میں

جناب علامہ حافظ قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

حصہ اوّل -/۶۰ حصہ دوم -/۳۶ حصہ سوم -/۷۰

شب براءت

ایک تحقیقی جائزہ

محقق ونقاد

علامہ حافظ قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

ماہر تاریخ شیخ القرآن وامام الحدیث

قیمت: -/۷ روپے

شب براءت کیا ہے؟

شب برأت کے موضوع پر

جس میں اس موضوع کی روایات پر سیر حاصل تبصرہ

ایک تحقیقی مقالہ کرکے اصل حقیقت واضح کی گئی ہے۔

تالیف لطیف: از محقق دوراں امام الحدیث والقرآن علامہ حافظ قاری

حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

ناشر: انجمن اسوۂ حسنہ پاکستان۔ قیمت -/۶

شیعہ ازم اور اسلام

مصنف: محمد یوسف تاج

قیمت: ۱۲ روپے

کیا متعہ حلال ہے؟

ایک دلچسپ کتابچہ جو

کسی تعارف کا محتاج نہیں

تالیف: شیخ القرآن امام الحدیث

علامہ حافظ قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

قیمت -/۳

عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں

ایک مدلل اور ناقابل تردید تحقیقی مقالہ

تالیف

محقق نقاد، شیخ القرآن وامام الحدیث جناب علامہ

حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

قیمت: ۲۰ روپے

رسم جہیز قرآن کی روشنی میں

رسم جہیز کے مسئلے کو نہایت دلچسپ پیرائے میں چھیڑا گیا ہے۔ مضمون مختصر ہے مگر ضخیم کتابوں اور مقالوں پر بھاری ہے۔ مصنفہ محمد نیاز

قیمت: ۲/۵۰

مہدویت نے اسلام کو کیا دیا

قرآن مجید، احادیث نبوی اور تاریخ کی روشنی میں

تالیف

حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، مدظلہ العالی

قیمت -/۶

تحقیق عصر

صدیقہ کائنات سلام اللہ علیہا

تالیف

محقق ونقاد

علامہ حافظ قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

قیمت: -/۶

تقلید

آیات محکمات کی روشنی میں

تالیف: مولوی محمد ... رام پور ہندوستان قیمت -/۲

سول ایجنٹ

علمی کتاب گھر اردو بازار۔ کراچی

فون: ۲۱۸۷۱۳ — ۲۱۶۹۴۲

نوٹ:۔ جملہ مطبوعات مکتبہ دارالعلوم کراچی میں بھی دستیاب ہیں

شہیدِ مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے حادثۂ وفات پر پچھلے شمارے میں صرف چند سطور لکھ سکا تھا، اور ساتھ ہی یہ ارادہ بھی ظاہر کیا تھا کہ اگلے شمارے میں انشاء اللہ ان کی شخصیت، ان کے ساتھ راقم کے تعلق کے واقعات اور ان پر مبنی تأثرات قدرے تفصیل سے قلمبند کروں گا۔

آج جب اپنے اس ارادے کی تکمیل کیلئے بیٹھا ہوں تو پچھلے گیارہ سال کے واقعات کی اتنی بہت سی تصویریں نگاہ کے سامنے آگئی ہیں کہ انہیں ایک مربوط تحریر میں منضبط کرنا دشوار معلوم ہو رہا ہے، اس لئے میں آغاز ہی میں یہ معذرت کرلوں کہ ؎

دریں کتاب پریشاں نہ بینی از ترتیب\
عجب مدار کہ چوں حالِ من پریشان است

پچھلے گیارہ سال میں بہت سے اُتار چڑھاؤ آئے اور صدرِ مرحوم کے بارے میں بہت سے لوگوں کی رائے میں انقلابی تبدیلیاں واقع ہوئیں، وہی لوگ جو ابتداء میں انہیں فرشتۂ غیبی کہتے اور سمجھتے تھے، انہی کی زبان سے بعد میں ان کے خلاف بڑے سخت اور ثقیل الفاظ بھی سُنے گئے، بہت سے وہ لوگ جو شروع میں ان کے اسلامی مشن کی وجہ سے ان کے پُرزور

حامی تھے، کچھ عرصے کے بعد ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے، یہاں تک کہ انہیں اسلام دشمن یا منافق تک کہنے سے دریغ نہیں کیا۔

مجھے ذاتی طور پر مردم شناسی کا دعویٰ نہیں ہے، لیکن حالات کے اس گیارہ سالہ نشیب و فراز میں صدرِ مرحوم کے بارے میں میری رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، میں ان کے بارے میں روزِ اول جو رائے رکھتا تھا، آخری دن تک اس میں کوئی قابلِ ذکر تغیر نہیں آیا۔ میں نے نہ انہیں پہلے دن فرشتۂ معصوم یا خلیفۂ راشد سمجھا تھا، نہ آخر میں (خدانخواستہ) اسلام دشمن یا منافق قرار دینے کا کوئی واہمہ دل میں پیدا ہوا۔ ہاں انتخابات پر یقین، اور سو فیصد یقین، تھا کہ ماضی میں ہم نے جتنے حکمرانوں کے تجربے کئے ہیں، اور بظاہر حالات آئندہ کیلئے جو لوگ سامنے ہیں، اُن کے مقابلے میں وہ اپنی اسلامی روح، دینی جذبے خود اپنی ذاتی زندگی کے حالات کے لحاظ سے اتنے قابلِ قدر انسان ہیں کہ موجودہ حالات میں ان کی شخصیت کو غنیمتِ کبریٰ سمجھ کر اُن کے ساتھ نفاذِ اسلام کے مشن میں بھرپور تعاون کرنا چاہیئے۔ پاکستان ہی میں نہیں، جکارتا سے لیکر رباط تک عالمِ اسلام کے دوسرے ملکوں میں بھی مجھے کوئی حکمران ایسا نظر نہیں آتا تھا جو اسلام پر ایسا غیر متزلزل ایمان، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق اور اسلام کی سربلندی کا ایسا ولولہ رکھتا ہو، میرے ناچیز مطالعے کی حد تک وہ عالمِ اسلام کے حکمرانوں میں اس وقت واحد انسان تھے جن میں نفاذِ شریعت کے کام کو لیکر آگے بڑھنے کا ذاتی جذبہ بھی تھا، اور جو اس بات کی صلاحیت بھی رکھتے تھے کہ اس مقصد کیلئے وقت کے چلتے ہوئے نعروں سے ٹکر لے سکیں، اور واقعۃً انہوں نے بہت سے معاملات میں یہ ٹکر لیکر بھی دکھائی، اور بہت سے وہ کام کئے جو مغربی افکار سے مرعوب ذہنوں کے لحاظ سے اس دور میں ناممکن سمجھے جاتے تھے۔

صدرِ مرحوم کے ساتھ المیہ یہ تھا کہ لادینی طاقتیں تو ان کی اس لئے دشمن تھیں کہ وہ انہیں اپنے عزائم کی راہ میں ایک زبردست کانٹا نظر آتے تھے، بعض سیاسی حلقے اس لئے ان کے مخالف تھے کہ انکی وجہ سے انہیں نفاذِ اسلام کی جدوجہد کا کریڈٹ اپنے ہاتھ سے چھن جانے کا اندیشہ تھا، تیسری طرف وہ دیندار حلقے تھے جنہیں انکی ذات سے کوئی پرخاش نہیں تھی، لیکن اُن کے مُنہ سے نفاذِ اسلام کا لفظ سُننے کے بعد وہ اس بات کیلئے بیتاب تھے کہ اس مقصد کی طرف پیش قدمی تیز رفتاری کے ساتھ ہو، جس کے اثرات معاشرے پر بلا تاخیر نظر آئیں، اور چونکہ یہ پیش قدمی واقعۃً سست رفتار تھی، اس لئے ان کی توقعات

پوری نہیں ہوئیں، اور اُن کی نگاہ مرحوم کے کئے ہوئے اچھے کاموں کے بجائے اُن کاموں پر زیادہ رہنے لگی جو وہ نہیں کر سکے، یہاں تک کہ بالآخر وہ اتنے مایوس ہوئے کہ انہوں نے سرے سے یہ تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا کہ صدرِ مرحوم نے اسلام کی کوئی خدمت کی ہے، یا کرنا چاہتے ہیں، اور اس طرح عملاً وہ بھی پہلے اور دوسرے طبقے ہی کے ساتھ ہم آواز ہو گئے۔

ایک چوتھا طبقہ بھی تھا جو اس بات کی تکلیف ضرور محسوس کرتا تھا کہ نفاذِ اسلام کی طرف پیش قدمی سست رفتار اور ناکافی ہے، لیکن ساتھ ہی صدرِ مرحوم کے عہد میں جو قابلِ قدر کام ہوئے ہیں، اُن کی نفی کا بھی قائل نہ تھا، اور اس بات کو بھی شدت کے ساتھ محسوس کرتا تھا کہ بہت سے قابلِ تنقید امور کے باوجود اس وقت نفاذِ اسلام کے مشن کے حق میں بظاہر حالات کوئی متبادل شخصیت سامنے نہیں ہے جو اتنا کام بھی کر سکے، لہٰذا وہ سمجھتا تھا کہ اصلاحِ حال کی بھرپور کوششوں کے ساتھ ساتھ صدر ضیاء الحق کی ذات کو بسا غنیمت سمجھنا چاہئے اور بحیثیتِ مجموعی نفاذِ اسلام کے مشن میں اُن کی تائید و حمایت سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہئے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ ساتھ ہی یہ حلقہ پہلے تین طبقات کی بنائی ہوئی فضا سے اتنا مرعوب بھی تھا کہ صدرِ مرحوم کے اچھے کارناموں کی اُس قدر کھُل کر حمایت اور تعریف نہیں کر سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ اس کی طرف سے بھی ان کے اچھے کاموں کی تعریف و حمایت بڑے تحفظات کے ساتھ ہوئی، اور اس میں بھی تنقید کا پہلو اکثر و بیشتر غالب رہا۔

اس صورتِ حال کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ شہیدِ مرحوم کے کارنامے پس منظر میں چلے گئے، اور قابلِ تنقید امور زیادہ اُبھر کر سامنے آئے، یہاں تک کہ یہ جملے زباں زدِ عام ہو گئے کہ "گیارہ سال میں کچھ نہیں ہوا"، "اسلام کو خواہ مخواہ بدنام کیا گیا ہے"، "اسلام کو صرف اقتدار کو طول دینے کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے"، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اسی ماحول میں جب ۱۷ اگست کو یک بیک صدرِ مرحوم کا حادثۂ شہادت پیش آیا تو یہ ایک ایسا ناگہانی صاعقہ تھا جس کے بارے میں قوم نے سوچا بھی نہ تھا۔ مذکورہ چار طبقات میں سے آخری دو طبقے جو اسلام کیلئے واقعۃً مخلص تھے، اور جن کی ملک کے باشعور عوام میں اکثریت ہے، جب انہوں نے صدرِ مرحوم کے اس طرح اچانک منظر سے غائب ہو جانے کے بعد گرد و پیش پر نظر ڈالی تو اُنہیں یکایک یہ جانکاہ احساس ہوا کہ انہوں نے کیا چیز کھو دی ہے؟ اب لوگوں کو ایک ایک کر کے وہ اچھے کام یاد آئے جو تنقید کے زور و شور میں گم ہو گئے تھے، اور احساس ہوا کہ جن باتوں کو ہم اب تک غیر اہم، ناکافی بلکہ کالعدم سمجھتے آئے تھے، اب کہیں اُنہی کے لالے نہ

پڑ جائیں۔ اس احساس نے قوم کے ہر باشعور مسلمان کو ایک ناقابلِ بیان صدمے اور زبردست تشویش میں مبتلا کر دیا۔ یہ صدمہ صدرِ مرحوم کے ساتھ عقیدت و محبت کے طوفان میں تبدیل ہوگیا، اور ملک کی اس "خاموش اکثریت" نے مرحوم کی نمازِ جنازہ کے موقع پر وہ فقید المثال نظارہ پیش کیا کہ شاید مرگلہ کی وادی نے پہلے کبھی ایسا نظارہ نہ دیکھا ہوگا۔

یہ درست ہے کہ پچھلے گیارہ سال میں نفاذِ اسلام کی طرف پیش قدمی سست رفتار تھی، یہ بھی درست ہے کہ اس زمانے میں بہت سی توقعات پوری نہیں ہوئیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دَور میں بہت سے قابلِ تنقید امور بھی پیش آئے جن پر میں نے البلاغ کے ان صفحات میں مفصل تنقید کی، لیکن میرے نزدیک یہ کہنا سراسر ظلم اور پرلے درجے کی ناانصافی ہے کہ شہیدِ مرحوم نے اس زمانے میں اسلام کی نمائش کے سوا نفاذِ اسلام کی سمت میں کوئی کام نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ گیارہ سال کے دوران نفاذِ اسلام و شریعت کے سلسلے میں جتنا کام اللہ تعالیٰ نے شہیدِ مرحوم کے ہاتھوں کرایا، وہ اس سے پہلے کے تیس سال میں نہیں ہوا تھا۔ اور نفاذِ شریعت کے سلسلے میں ان گیارہ سال کو ایک پلّے میں اور پہلے کے تیس سال کو دوسرے پلّے میں رکھا جائے تو یقیناً ان گیارہ سال کا پلّہ بھاری رہے گا۔ شہیدِ مرحوم کے دَور میں جو قابلِ تعریف کام ہوئے ان میں سے بہت سے کام ایسے ہیں جن کا عام لوگوں کو آج تک علم نہیں، اور بہت سے ایسے ہیں جن کی اہمیت کا کماحقہ احساس نہیں۔ لیکن انشاء اللہ وہ مرحوم کیلئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے۔ یہاں خاص طور پر میں چند اہم کاموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا مقصد مرحوم کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ عام مسلمانوں کو انکی اہمیت کا کما حقہ احساس ہو، اور وہ آئندہ ان کے بقاء و تحفظ اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکیں :۔

(۱) یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ صدرِ مرحوم کے زمانے میں اسلام اور شعائرِ اسلام کی عظمت و اہمیت کا ایک عام شعور پیدا ہوا۔ پہلے اسلام اور اسلامی شعائر سے عملی وابستگی رکھنے والوں کو قدم قدم پر ہمت شکنی کا سامنا کرنا پڑتا تھا، انہیں نشانۂ استہزاء بنایا جاتا تھا، اور خاص طور پر سرکاری حلقوں میں شعائرِ اسلام کو عملاً فرسودگی اور دقیانوسیت کی علامت قرار دے لیا گیا تھا، اور انگریز کی پیدا کردہ وہ ذہنی فضا نہ صرف برقرار تھی، بلکہ اس میں اضافہ ہو رہا تھا، جس کے تحت اسلام کا نام لینے والے یا اس کے کسی شعار پر عمل کرنے والے کو معاشرے سے الگ تھلگ کر دیا

جائے، اور اس کے دل میں احساسِ کمتری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

شہید مرحوم کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنی متواتر جد وجہد سے اس فضا میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ اور وہ فضا بنائی جس میں اسلام اور شعائرِ اسلام سے وابستگی کو واقعۃً عزّت وعظمت کا سبب اور سرمایۂ فخر وناز سمجھا جائے، اس طرح نہ صرف یہ کہ اُن لوگوں کے راستے کی رُکاوٹیں دُور ہوئیں جو پہلے سے اسلام کے ساتھ عملی وابستگی رکھتے تھے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی ترغیب ہوئی۔

اندرون ملک کے علاوہ عالمی برادری میں بھی شہیدِ مرحوم نے اسلام کا کلمہ پوری خود اعتمادی کے ساتھ ڈٹ کر پیش کیا، وہ تاریخ کے واحد حکمران تھے جنہوں نے جنرل اسمبلی میں اپنی تقریر کا آغاز تلاوتِ قرآن سے کرنے پر اصرار کیا، اور اس طرح اس عالمی پلیٹ فارم سے قرآن کریم کا پیغام پیش کیا، گویا جیسے دہریہ ملک میں بھی انہوں نے تلاوتِ قرآن ہی کو اپنی تقریر کی بنیاد بنایا،

(۲) ملک میں شراب جیسی ام الخبائث کا آزادانہ استعمال کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی، سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وزارتِ علیا کے دَور میں صوبہ سرحد کے اندر شراب کی ممانعت کا قانون نافذ کیا، پھر بھٹو صاحب مرحوم نے اپنے آخری دَور میں پورے ملک میں شراب کی ممانعت کا قانون جاری کیا، یہ دونوں قانون شراب بندی کے سلسلے میں بلاشبہ بڑے لائق ستائش تھے۔

لیکن ان دونوں قوانین میں شراب کی ممانعت صرف مسلمانوں کے لئے تھی، غیر مسلم اس ممانعت سے مستثنیٰ تھے، اور شراب نوشی کی سزا بھی شریعت کے مطابق نہیں تھی۔

اگرچہ ان قوانین کے بعد ملک میں پلائے جانے والے کھلے شراب خانے بند ہو گئے تھے، لیکن غیر مسلموں کے استثنا کی وجہ سے ایک وسیع چور دروازہ کھلا ہوا تھا، غیر مسلموں کے بہانے شراب کا استعمال عام تھا۔ بلکہ ایسی اطلاعات بھی ملیں کہ لوگوں نے اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کر کے شراب حاصل کی، والعیاذ باللہ العظیم۔

صدر مرحوم نے ۱۹۷۹ء میں ممانعتِ شراب کا جو آرڈی ننس جاری کیا، اس میں غیر مسلموں کیلئے بھی شراب کی ممانعت کر کے یہ چور دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔ اور شراب نوشی کی سزا بھی شریعت کے مطابق مقرر کر دی گئی۔

اس آرڈی ننس کے بعد شراب کے استعمال پر مؤثر پابندی عائد ہوئی، اور اس گناہِ عظیم

کے بیدریغ ارتکاب پر مؤثر بریک لگا۔ خاص طور سے فوج کے حلقوں میں، جہاں شراب نوشی ایک عام وبا کی صورت اختیار کرتی جارہی تھی، وہاں اس اقدام نے ایک انقلاب برپا کردیا، جس کا مشاہدہ ہر شخص کرسکتا ہے۔

غیر مسلموں کو شراب بندی پر مطمئن کرنا خاصا دشوار کام تھا، لیکن صدرِ مرحوم نے بڑی حکمت کے ساتھ غیر مسلم اقلیتوں کو اس پر راضی کیا، جس کے نتیجے میں ان کی طرف سے کوئی بڑی مخالفت پیش نہیں آئی۔

(۲) پھر سب سے بڑی دشواری پی آئی اے کی بین الاقوامی پروازوں میں شراب بندی کے سلسلے میں پیش آئی۔ حکومت اور ایئر لائنز کے ذمہ داروں میں تقریباً ہر شخص اس اقدام کے عواقب سے خوفزدہ تھا، کہا یہ جاتا تھا کہ بین الاقوامی پروازوں میں شراب کی سپلائی بند کرنے سے ایئر لائنز کو ناقابلِ تحمل خسارے کا اندیشہ ہے۔ سعودی ایئر لائنز کی مثال پیش کی جاتی تو یہ کہا جاتا کہ وہ ایک امیر ملک ہے، جو اس خسارے کو برداشت کرسکتا ہے، لیکن پاکستان اس کا تحمل نہیں کرسکتا۔ مگر صدرِ مرحوم اعداد و شمار سے بنائی ہوئی اس ڈراؤنی فضا سے مرعوب نہیں ہوئے، اور پوری جرأت کے ساتھ اللہ کے بھروسے پر پی آئی اے کی عالمی پروازوں میں بھی مطلقاً شراب بند کرنے کے احکام جاری کردیئے۔ اور پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اقدام کے نتیجے میں ایئر لائنز کو نہ صرف یہ کہ کوئی خسارہ نہیں ہوا، بلکہ پہلے سے زیادہ نفع ہوا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری ایئر لائنز بھی اس ام الخبائث سے پاک ہوگئی۔

(۳) ۱۹۷۹ء سے پہلے تک انگریز کی پیدا کی ہوئی یہ صورتِ حال برقرار تھی کہ زناکاری جیسا گھناؤنا گناہ اگر باہمی رضامندی سے کیا جائے تو وہ کوئی جرم نہیں تھا۔ قانون صرف زنا بالجبر کو جرم قرار دیتا تھا اور اس میں بھی اگر ملزم عدالت کے ذہن میں یہ شبہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوجائے کہ شاید اس بدکاری کے ارتکاب میں عورت کی مرضی شامل ہو تو وہ جرم سے بری ہوجایا کرتا تھا۔ یہ صورتِ حال ایک مسلمان کہلانے والے ملک کے ماتھے پر کلنک کا ایسا ٹیکہ تھی کہ الفاظ اس کی شناعت کو بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ شہیدِ مرحوم جنرل ضیا صاحب کے دور میں پہلی بار اس بدکاری اور اس کے مقدمات کو قانوناً جرم قرار دیا گیا، اور اس پر شرعی سزائیں مقرر کی گئیں۔ زناکاری کی حدِ شرعی (یعنی سو کوڑوں اور سنگساری) کو بطورِ قانون نافذ کیا گیا۔ چونکہ مذکورہ حدِ شرعی کا معیارِ ثبوت انتہائی سخت ہے، اس لئے حد تو شاذ و نادر ہی کہیں جاری ہوسکتی ہے، لیکن قانون میں

جہاں حد کی شرائط پوری نہ ہوں وہاں سخت تعزیری سزائیں مقرر کی گئیں جن پر اب عدالتیں عمل کر رہی ہیں۔

(۴) صدر مرحوم ہی کے زمانے میں ملک میں پہلی بار حدودِ شرعیہ کو بطورِ قانون نافذ کیا گیا، یہ درست ہے کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد اب تک کسی مجرم پر کوئی حد جاری نہیں ہوئی، جس کی بنا پر عموماً یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ملک میں حدودِ شرعیہ نافذ نہیں ہیں، یا اگر ہیں تو وہ صرف نچلی عدالتوں کیلئے ہیں، اور اعلیٰ عدالتوں پر حدود شرعیہ کا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب تک حد جاری نہ ہونے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ پولیس تفتیشِ جرائم اور عدالتی طریقِ کار میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے اکثر جرائم کے تو مقدمات ہی درج نہیں ہوتے، بہت سے مقدمات میں تفتیش صحیح طور پر نہیں ہو پاتی، اور بعض مقدمات میں عدالتی طریقِ کار میں خامیاں رہ جاتی ہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حدودِ شرعیہ کے اجراء کیلئے شریعت نے شرائط اتنی کڑی مقرر کی ہیں کہ وہ ننانوے فیصد مقدمات میں پوری نہیں ہوتیں۔

ورنہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے، حدود آرڈی ننس کے نفاذ کے بعد سے جرائم متعلقہ حدود کی حد تک ملک کا قانون بلاشبہ اسلامی ہو چکا ہے، اور وہ صرف نچلی عدالتوں پر نہیں، مجسٹریٹ سے لیکر سپریم کورٹ تک ہر عدالت پر واجب العمل ہے، بلکہ شروع میں فوجی عدالتیں اور فوجی مقدمات اس سے مستثنیٰ تھے، اب تمام فوجی عدالتوں کو بھی اس کا پابند کر دیا گیا ہے۔

چونکہ مذکورہ بالا خامیوں کی بنا پر اب تک کسی مجرم پر کوئی حد جاری نہیں ہوئی، اس لئے اس قانون کے اثرات بلاشبہ معاشرے پر ظاہر نہیں ہو سکے، اور اس سلسلے میں عوام کو حکومت سے جو شکایت رہی ہے، وہ بالکل بجا اور برحق ہے۔ لیکن یہ بات ناقابلِ انکار ہے کہ جس فضا میں دنیا نے حدودِ شرعیہ کے خلاف پروپیگنڈا کر کے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا، وہاں صدرِ مرحوم نے مخالف پروپیگنڈے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور بالآخر ان قوانین کو نافذ کر کے ملک میں چلی ہوئی اس نظریاتی بحث کو ختم کر دیا کہ حدودِ شرعیہ اس دور میں واجب العمل ہیں یا نہیں؟

(۵) ہمارے ملک کے ہر دستور میں یہ دفعہ لکھی جاتی رہی ہے کہ "ملک کے تمام قوانین قرآن و سُنّت کے مطابق بنائے جائیں گے"۔ لیکن صدرِ مرحوم سے پہلے یہ دفعہ دستور کی ایک بے جان دفعہ تھی، نہ کبھی اس دفعہ کے تحت کسی قانون کو اسلامی بنایا گیا، نہ عوام کو یہ

موقع فراہم کیا گیا کہ وہ کسی مروّجہ قانون کو غیر اسلامی ہونے کی بنا پر چیلنج کر کے اسے بدلوا سکیں۔ علماء اور نفاذِ اسلام کا مطالبہ کرنے والے حلقوں کا یہ مطالبہ سالہا سال سے چلا آ تا تھا کہ دستور کی مذکورہ بالا دفعہ کو مؤثر اور عدالت کے ذریعے قابلِ تنفیذ (Justiciable) بنایا جائے۔ اور اس ملک کے عوام کو یہ حق دیا جائے کہ وہ غیر اسلامی قوانین کو اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کر کے اسی طرح بدلوا سکیں جیسے بنیادی حقوق کے خلاف قوانین کو بدلوا سکتے ہیں۔ لیکن صدرِ مرحوم سے پہلے کسی حکومت نے اس مطالبے پر کان نہیں دھرے۔ یہ اعزاز سب سے پہلے صدر ضیاء الحق شہید کو حاصل ہوا کہ انہوں نے غیر اسلامی قوانین کو عدلیہ میں چیلنج کرنے کا راستہ پیدا کیا، اور اس غرض کیلئے وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں شریعت اپیلیٹ بنچ قائم کی۔

افسوس ہے کہ عوام، علماء اور دینی جماعتوں کی طرف سے اس موقع سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اُٹھایا گیا، اور اس راستے سے قوانین کی اصلاح کرانے میں بہت کم دلچسپی لی گئی جس کی بنا پر اس اقدام کے ممکنہ فوائد حاصل نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود ان عدالتوں نے اب تک دسیوں غیر اسلامی قوانین کو کالعدم قرار دیکر ختم کر دیا، اور ان کے ذریعے قوانین کی ایک قابلِ ذکر تعداد کی اصلاح ہوئی۔

چند ماہ پہلے تک مالیاتی قوانین اور مسلم پرسنل لا، کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن اب شریعت آرڈی ننس کے نفاذ کے بعد ان قوانین کو بھی ہائی کورٹ میں چیلنج کرنے کی گنجائش پیدا کر دی گئی ہے۔ اور اس طرح دُنیا بھر میں پاکستان واحد ملک ہے جس کے عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ رائج الوقت قوانین کو غیر اسلامی ہونے کی بنا پر عدالت میں چیلنج کر سکتے ہیں، اور عدالت اگر ان کے غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر دے تو وہ قانون خود بخود منسوخ ہو جاتے ہیں، اور حکومت متبادل قانون نافذ کرنے پر مجبور ہوتی ہے، اور بلاشبہ یہ صدرِ مرحوم کا نہایت قابلِ قدر کارنامہ ہے۔

ہمارے ملک کے عوام چونکہ عموماً قانونی نظام کی تفصیلات سے باخبر نہیں ہیں اس لئے اس موقع سے اَب بھی بہت کم فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، حالانکہ اس سلسلے میں عدالت سے رجُوع کرنے کا طریقہ بھی بہت سادہ اور آسان ہے۔

(٦) قراردادِ مقاصد ۱۹۴۹ء میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ اور دینی حلقوں کی کوشش سے منظور ہوئی تھی، لیکن پاکستان کے ہر دستور میں وہ ایک غیر مؤثر دیباچے کے طور پر شامل کی گئی، یہاں تک کہ اعلیٰ عدالتوں نے یہ فیصلے دیئے کہ محض

ایک دیباچہ ہونے کی بنا پر اس کی کوئی لازمی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ صدرِ مرحوم کے دَور میں پہلی بار اس قراردادِ مقاصد کو آئین کا مؤثر حصہ بنایا گیا، اور اس طرح عدلیہ کے ذریعے ملک کے قانونی نظام کی اصلاح کا ایک دوسرا اہم دروازہ کھولا گیا۔ ابھی اس تبدیلی کے قانونی اثرات اعلیٰ عدالتوں میں زیرِ بحث ہیں، بعض اعلیٰ عدالتوں نے اس تبدیلی کی بنیاد پر غیر اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے کرنے سے انکار کردیا ہے، اگر عدالتِ عظمیٰ نے بھی اس پوزیشن کو تسلیم کرلیا تو یہ تبدیلی ملک میں غیر اسلامی قوانین اور اقدامات کی اصلاح کیلئے ایک عظیم انقلابی تبدیلی ثابت ہوگی، جو یقیناً صدرِ مرحوم ہی کا صدقۂ جاریہ ہے۔

(۷) یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ شہیدِ مرحوم نے ملک میں نماز کے اہتمام کیلئے یادگار خدمات انجام دی ہیں۔ اُن سے پہلے نمازی لوگوں کیلئے بھی اپنی دفتری مجبوریوں کے تحت نماز کے وقت نماز باجماعت ادا کرنا سخت دُشوار تھا۔ صدرِ مرحوم کے احکام کے تحت تمام سرکاری دفتروں میں نماز باجماعت کا مؤثر انتظام ہوا، اور اب شاید کوئی سرکاری دفتر ایسا نہیں ہے جہاں دفتری اوقات میں نماز باجماعت کا انتظام نہ ہو۔ اسلام آباد سیکریٹریٹ میں اگر دن کے ایک بجے سے ڈیڑھ بجے تک جاکر دیکھیں تو واقعۃً محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ مسلمان ملک کا سیکریٹریٹ ہے، تقریباً ہر عمارت اور ہر بلاک میں نماز باجماعت کے رُوح پرور مناظر نظر آتے ہیں، اس اہتمام کے نتیجے میں لوگوں کو نماز کی ترغیب ہوئی ہے، اور نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، بہت سی جگہوں پر نماز کے متصل بعد چند منٹ کے وقفے میں کوئی حدیث سُنانے کا بھی معمول ہے جس کی افادیت ظاہر ہے۔

سرکاری دفاتر کے علاوہ سرکاری تقریبوں اور اجتماعات کے نظام الاوقات میں نماز کی رعایت بھی اسی دور میں شروع ہوئی، ورنہ پہلے کسی سرکاری اجتماع میں جانے کا مطلب یہ تھا کہ انسان یا تو نماز سے ہاتھ دھوئے، ورنہ اس فریضے کی ادائیگی کیلئے سخت مشکلات کا شکار ہو۔ ملک بھر کے تمام ہوائی اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں اور دوسرے عوامی مقامات پر بھی نماز اور وضو کے عمدہ انتظامات بھی اسی زمانے میں ہوئے جنہوں نے نماز کی اہمیت کی عام فضا پیدا کی ہے، اور اس میں صدرِ مرحوم ہی کی ذاتی دلچسپی کو دخل ہے۔

اس اہتمام کا یہ نتیجہ میں نے کھلی آنکھوں دیکھا ہے کہ بہت سے وہ سرکاری افسران

جو پہلے نماز نہیں پڑھتے تھے، رفتہ رفتہ نماز کے عادی بن گئے، اور نماز ان کی زندگی کا لازمی حصہ ہو گئی۔

خاص طور پر فوج کے ماحول میں اس زمانے میں بہت نمایاں تبدیلی آئی ہے، جس کی گواہی احقر کے سامنے بہت سے فوجی افسروں نے دی۔ اُن میں سے ایک صاحب کے الفاظ یہ تھے کہ میں ۱۹۵۷ء سے فوج میں ہوں، پہلے عالم یہ تھا کہ جنگی مشقوں کے دوران اگر ہمارے چودہ افسر ہوتے تو اُن میں سے تیرہ تو یقیناً، ورنہ چودہ کے چودہ شراب نوشی کے عادی ہوتے تھے، اور اب بفضلہٖ تعالیٰ حال یہ ہے کہ چودہ میں سے کم از کم بارہ افراد نماز کے عادی ہوتے ہیں۔

(۸) صدرِ مرحوم سے پہلے رمضان کے مہینے میں کھانے پینے کی تمام دُکانیں، ہوٹل اور ریستوران کھُلے ہوتے تھے، بلکہ ان میں کھانے پینے والوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ صرف ایک آدھا تہائی پردہ "احترامِ رمضان" کی علامت کے طور پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ صدرِ مرحوم نے پہلی بار یہ حکم جاری کیا کہ رمضان میں دن کے وقت ہوٹل، ریستوران اور کھانے پینے کی تمام دُکانیں بالکلیہ بند رہیں گی، چنانچہ گیارہ سال سے اس پر عمل ہو رہا ہے، اور اب محسوس ہونے لگا ہے کہ رمضان کا مہینہ کسی اسلامی ملک میں آیا ہے۔

(۹) ملک میں سرکاری طور پر زکوٰۃ کی وصولیابی اور تقسیم کا انتظام بھی پہلی بار صدرِ مرحوم ہی کے دَور میں شروع ہوا۔ اگرچہ اس کی وصولیابی اور تقسیم دونوں کے طریقِ کار میں بہت سے نقائص ہیں جن کی وجہ سے اس اقدام کے اثرات معاشرے پر نمایاں نہیں ہوئے، زکوٰۃ کی تقسیم کے بارے میں بالخصوص خورد بُرد کی اطلاعات بھی ملتی رہتی ہیں، لیکن جس معاشرے میں ہم جی رہے ہیں، اس کی خرابیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جتنی خورد برد کا اندیشہ تھا، شاید عملاً اتنی خورد برد نہیں ہوئی۔ زکوٰۃ کی رقم کو سرکاری خزانے سے بالکل علیحدہ رکھنے اور سرکاری ملازمین کے بجائے عوام سے زکوٰۃ کی تقسیم کا کام لینے سے اس سلسلے میں کافی مدد ملی ہے۔ بہر صورت! اس نظام کے تمام موجودہ نقائص کے باوجود اسلام کے ایک اہم رکن کو عملاً قائم کرنے کا آغاز ضرور ہو گیا ہے، اب اسے مؤثر، مستحکم اور مفید بنانے کی ضرورت ہے۔

(۱۰) صدرِ مرحوم ہی نے تمام سرکاری ملازمین کو قومی لباس پہننے کا پابند بنا کر ملک کو انگریزی لباس سے نجات دلائی۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں ہر چھوٹا بڑا افسر انگریزی لباس

کا خوگر تھا، اسی کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا، اور اس کے حق میں دلائل دینے کیلئے ہر وقت تیار تھا، یہ تبدیلی لانا بھی شہیدِ مرحوم کے اہم کارناموں میں سے ہے جس کے نتیجے میں پہلے سرکاری دفتروں اور سرکاری تقریبات سے انگریزی معاشرت کا یہ نشان ختم ہوا، اس کے بعد رفتہ رفتہ اس کا اثر عام قومی زندگی پر بھی پڑا، اور اب شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ ملک میں انگریزی لباس پہننے والے اقلیت میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ لباس کے مسئلے کو کوئی شخص خواہ کتنا غیر اہم قرار دینے کی کوشش کرے، لیکن زندگی پر اس کے نفسیاتی اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۱) تعلیم کے نصاب و نظام میں بھی اس دور میں خاصی تبدیلی آئی۔ تقریباً ہر مضمون کیلئے نصابی کتابوں کی تدوین میں اسلامی افکار کو مدِ نظر رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اسلامیات کو تعلیم کے ہر مرحلے میں لازمی قرار دیا گیا۔ اعلیٰ سول اور فوجی افسران کے تربیتی کورسوں میں بھی اسلامیات کو ایک لازمی مادّے کے طور پر شامل کیا گیا۔ ججوں اور تفتیشی افسران کو شریعت سے روشناس کرانے کیلئے ریفریشر کورسز جاری کئے گئے۔ اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا معیارِ تعلیم اسلامی علوم کے لحاظ سے ملک کی تمام سرکاری یونیورسٹیوں سے کہیں زیادہ بلند ہے، اور جہاں سے اسلامی قانون کے شعبے میں بعض بہت اچھے اور قابل طلبہ فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

(۱۲) اسلامی علوم کی تدریس میں ملک کے دینی مدارس کا معیارِ تعلیم ہمیشہ یقیناً ملک کی ہر یونیورسٹی کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار سے کہیں زیادہ رہا ہے، سرکاری یونیورسٹیوں سے اسلامیات میں ایم اے یا پی ایچ ڈی کرنے والے علمِ دین میں، دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اس کے باوجود سرکاری حلقوں میں دینی مدارس کی سند کی کوئی قیمت نہیں تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جن سرکاری مناصب پر علماء کی ضرورت تھی، وہاں بھی دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کے پہنچنے کا قانوناً کوئی راستہ نہ تھا۔ صدرِ مرحوم نے اپنی ذاتی دلچسپی سے سرکاری طور پر دینی مدارس کی سند کو ایم اے کے مساوی قرار دیکر تعلیمی اداروں اور دیگر سرکاری مناصب کو علماء کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا۔

آجکل یہ فقرہ بہت کثرت سے بولا جاتا ہے کہ "صدر ضیاء کے دور میں علماء کا وقار بلند ہوا" میرے نزدیک یہ تعبیر درست نہیں ہے۔ علماء، اگر صحیح معنیٰ میں علماء ہوں، تو کسی کے وقار

بند کرنے کے محتاج نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے علمِ دین کو جو وقار عطا فرمایا ہے، وہ کسی کے عطا کرنے یا تسلیم کرنے سے بے نیاز ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے واقعۃً علمِ دین کی دولت عطا فرمائی ہو، اُسے اِن باتوں کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، اور نہ سرکاری طور پر منظور کرنے سے اس کی عزت میں حقیقی طور پر کوئی اضافہ ہوتا ہے۔

لیکن مسئلہ اصل میں یہ تھا کہ جن مقامات پر علماءِ دین کی ضرورت تھی، وہاں انکی خدمات سے استفادہ کس طرح کیا جائے؟ پچھلے زمانوں میں نہ صرف یہ کہ یہ استفادہ نہیں کیا گیا، بلکہ اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی گئی، صدرِ مرحوم نے اپنے متعدد اقدامات کے ذریعے علماء کی خدمات سے استفادے کی راہ پیدا کر کے جہاں جہاں علماء کی ضرورت تھی وہاں پہنچانے کی قابلِ قدر کوشش کی ہے۔

(۱۳) ملک میں غیر سودی بنکاری کے نام سے جو طریق کار رائج ہوا ہے، اس کی خرابیوں پر میں 'البلاغ' کے صفحات میں بارہا لکھ چکا ہوں، اور شاید اس نظام پر مجھ سے زیادہ کسی نے تنقید نہ کی ہو، لیکن ان تمام خرابیوں اور خامیوں کے باوصف صدرِ مرحوم کا یہ کارنامہ بلاشبہ قابلِ قدر ہے کہ اُصولی طور پر بنکاری کے نظام کو سُود سے پاک کرنا سرکاری پر طے کر دیا گیا، اور وہ بحث ختم کر دی گئی جس میں بینکوں کے سود کی حرمت ہی کو مشکوک بنانے کی سعی کی جارہی تھی، اب بحث یہ نہیں ہے کہ بینکوں کے نظام میں تبدیلی لائی جائے یا نہیں؟ اب بحث یہ ہے کہ تبدیلی کس طرح لائی جائے؟ اور اب صدرِ مرحوم نے شہادت سے کچھ ہی دنوں پہلے بنکاری کے ذمہ داروں کو بُلا کر واضح لفظوں میں موجودہ طریقِ کار پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا تھا، اور انہیں تاکید کی تھی کہ وہ جلد از جلد اس طریق کار کو بدل کر شریعت کے مطابق بنائیں۔ شریعت آرڈی ننس کے نفاذ کے بعد اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔

(۱۴) ذرائع ابلاغ کے طرزِ عمل اور ان کے ذریعے بے حیائی کے فروغ پر ہم سب کی طرف سے بڑی جائز تنقید ہوتی رہی ہے، اور واقعہ یہی ہے کہ ہمارے ذرائعِ ابلاغ کا طریق کار کسی بھی طرح ایک اسلامی ملک کے شایانِ شان نہیں ہے، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ ۱۹۷۷ء سے پہلے ذرائعِ ابلاغ جس برق رفتاری سے فحاشی و عریانی کی طرف جارہے تھے، صدرِ مرحوم کے زمانے میں اس کو کچھ نہ کچھ بریک ضرور لگا ہے، اگر ۱۹۷۷ء سے پہلے کے اخبارات و رسائل اور ریڈیو، ٹی وی کے پروگراموں کا موازنہ جولائی ۱۹۷۷ء

کے بعد سے کیا جائے تو یہ فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔

(۱۵) ہمارا ملک ہر دور میں مرزائیت کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے مجروح رہا ہے۔ ان سرگرمیوں پر جس قدر کاری وار صدر ضیاء الحق شہید مرحوم کے زمانے میں کیا گیا، اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب مرحوم نے ایک دستوری ترمیم کے ذریعے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخی اقدام کیا تھا جس نے ملک کو مرزائیت کے بارے میں صحیح رُخ پر گامزن کیا، لیکن اس دستوری ترمیم کے باوجود مرزائیوں کی طرف سے اپنے آپ کو مسلمان باور کرانے، اپنی عبادت گاہوں کو مسجد قرار دینے اور اپنے کفریہ عقائد کو تبلیغِ اسلام کے عنوان سے پیش کرنے کا سلسلہ جاری تھا، وہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ اپنے سربراہوں کیلئے اسلامی القاب و اصطلاحات استعمال کرتے تھے، اور ان کی تلبیسات علانیہ جاری تھیں۔ صدرِ مرحوم نے ایک تاریخی آرڈی ننس کے ذریعے ان کی ایسی تمام سرگرمیوں پر پابندی عائد کر کے پاکستان میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور تلبیس انگیز پروپیگنڈے کو اس طرح تقریباً ختم کر دیا کہ ان کے سربراہ کیلئے اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ وہ اپنی تلبیسی سرگرمیوں کیلئے پاکستان سے مایوس ہو کر لندن کو اپنا مستقر بنا لے۔

(۱۶) جہادِ افغانستان کے معاملے میں صدر مرحوم کے کارنامے کسی تشریح کے محتاج نہیں ہیں، افغان مہاجرین کی امداد اور مجاہدین کی پشت پناہی سے ان کا مقصد اپنے ستم رسیدہ مسلمان بھائیوں کی امداد تو تھا ہی، اس کے علاوہ اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ اس طرح افغانستان میں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو جو اس علاقے میں احیاءِ اسلام کی تحریک کو سہارا دے۔ جس کے نتیجے میں پاکستان اور افغانستان پوری ہم آہنگی کے ساتھ نفاذِ اسلام کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ انہوں نے یہ پالیسی جس کامیابی سے چلائی اس نے پوری دُنیا سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ یہاں تک کہ روس جیسی طاقت کو اس علاقے سے پسپا ہونا پڑا۔

یہ صدرِ مرحوم کے دور کے چند وہ موٹے موٹے کام ہیں جن کی بنا پر میں یہ کہنا بدترین ناانصافی سمجھتا ہوں کہ ان کے دور میں اسلام کے لئے کوئی کام نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ نفاذِ اسلام کے مشن کو ادھورا چھوڑ گئے۔ ابھی اس سمت میں بہت سے جرأت مندانہ اقدامات کی ضرورت تھی، اور جو اقدامات ہوئے تھے، ان کو مؤثر و مستحکم بنانے کے لئے بہت کچھ کرنا باقی تھا، لیکن اُن

کے مندرجۂ بالا اقدامات نے اس ملک کو پہلی بار صحیح رُخ دیا، اور نفاذِ اسلام کے مشن کیلئے بڑی حد تک راہ ہموار کی۔ اگر آئندہ اللہ کے کسی بندے کو اس مقصد کو آگے بڑھانے کی توفیق ہوگی تو وہ محسوس کریگا کہ اس راہ کے کتنے کانٹے صدرِ مرحوم چُن گئے ہیں۔ آج سیاسی چشمک کی فضا میں خواہ کچھ کہا جائے، لیکن جب کبھی معاصرت کا گرد وغبار چھٹے گا، اور اسلام کا درد رکھنے والے کسی مؤرخ کو غیر جانب داری کے ساتھ ملکی حالات کے تجزیہ کا موقع ملے گا تو وہ ان تمام کاموں کو شہید مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے درخشاں کارناموں میں شمار کئے بغیر نہیں رہ سکیگا۔

مرحوم اپنی ذاتی زندگی میں بھی بڑے غیر معمولی اوصاف کے حامل تھے، اسلام سے ان کی عملی وابستگی ایک واضح اور ظاہر و باہر حقیقت تھی، لہٰذا نفاذِ اسلام کیلئے ان کے عزائم اور اقدامات کو محض سیاسی قرار دینا ممکن نہیں، وہ بہرحال موجودہ معاشرے ہی کے ایک فرد تھے، اور نفاذِ اسلام کیلئے جو کام وہ نہیں کر پائے، اُن میں سے بعض کے پیچھے سیاست کارفرما ہو سکتی ہے، لیکن اسلام کیلئے جو کام انہوں نے کئے، وہ اُن کے اندر کی آواز تھی۔

وہ صوم وصلوٰۃ کی پابندی میں بلاشبہ قابلِ رشک تھے، صرف پنجگانہ نمازوں ہی کے نہیں، تہجد کے بھی پابند تھے۔ پنجگانہ نمازیں بھی بالعموم جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے تھے، یہ منظر تو میرے علاوہ نہ جانے کتنوں نے دیکھا ہے کہ میٹنگ کے دوران پیچیدہ مسائل پر خواہ کتنے زور وشور سے بحث جاری ہو، مرحوم کی نگاہ گھڑی پر رہتی، اور جہاں نماز کا وقت ہوتا، کام کو وہیں چھوڑ کر اُٹھ جاتے، اور اپنے دفتر ہی کے احاطے میں بنی ہوئی مسجد میں جاکر نماز ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک ایسی ہی میٹنگ کے دوران مجھے وضو میں کچھ دیر ہوگئی، جب میں مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ نماز کھڑی ہو چکی ہے، اور خود صدرِ مرحوم نماز پڑھا رہے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ امام صاحب اُس وقت موجود نہیں تھے، اس لئے لوگوں نے مرحوم ہی کو آگے کر دیا۔

ہفت روزہ تکبیر کے مدیر جناب صلاح الدین صاحب نے خود اپنا واقعہ لکھا ہے کہ حرمین شریفین کے ایک سفر میں وہ صدرِ مرحوم کے ساتھ تھے، نمازِ عشاء کے بعد حرمِ مکہ میں پہنچے، اور جب عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے کا ارادہ کیا تو امامِ حرم شیخ عبداللہ بن سُبَیّل نے صدرِ مرحوم سے کہا کہ مسلمانوں کے سربراہ کی حیثیت سے نماز تو آپ ہی کو پڑھانی چاہئے اور یہ کہکر انہیں آگے کر دیا۔ صدرِ مرحوم نے کعبہ شریف کے سائے میں نماز پڑھائی، اور نماز کے دوران رقت کے عالم میں انکی ہچکیاں بندھ گئیں۔ بعد میں صلاح الدین صاحب نے ان سے اس غیر معمولی تأثر کے بارے میں

پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں تو ایک گنہگار انسان ہوں، میں تو حرم شریف میں داخلے کی اجازت کا بھی اہل نہیں، چہ جائیکہ یہاں امامت کروں۔

مجھے صدر مرحوم کے انداز و ادا سے یہ مترشح تو ہوتا تھا کہ شاید وہ تہجد کی نماز بھی پڑھتے ہیں، لیکن یقین سے معلوم نہیں تھا۔ ایک روز اُن کے ایک ہاؤس اے ڈی سی نے بتایا کہ میں سالہا سال سے ان کے ساتھ ہوں، فوج کے زمانے میں بھی ساتھ رہا ہوں، ان کی نماز تہجد عموماً ناغہ نہیں ہوتی۔ پھر بعد میں یہ بات اور بھی قریب کے لوگوں سے معلوم ہوئی، اور ان کے ساتھ غیر ملکی سفروں میں جانے والے کئی لوگوں نے بتایا کہ یہ معمول سفر میں بھی جاری رہتا ہے۔

تلاوتِ قرآن کریم کا بھی معمول تھا، یہاں تک کہ قرآن کریم ان کے آخری سفر میں بھی ساتھ تھا جو صرف چند گھنٹوں کا سفر تھا، حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی تفسیر معارف القرآن انکے ڈرائنگ روم میں نمایاں رکھی نظر آتی تھی، ایک دن مجھ سے اس تفسیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ کتاب ایک بہت بڑا خزانہ ہے، اور جب مجھے قرآن کریم کی کوئی بات سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس سے استفادہ کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ بھی دینی کتب کے مطالعے کا معمول تھا۔ اور آخر وقت میں بھی مرحوم کے بریف کیس سے جو اشیاء برآمد ہوئیں، ان میں ایک قرآن کریم کا نسخہ اور دو کتابیں شامل تھیں، ان دو کتابوں میں سے ایک اصلاح المسلمین اور ایک تصوف کے موضوع کی کتاب تھی۔

اُن کی زندگی شروع ہی سے اُن بڑے بڑے مُنکرات سے پاک تھی جو آجکل عموماً "اونچی سوسائٹی" کی زندگی کا لازمہ سمجھے جاتے ہیں۔ حرمین شریفین کی زیارت کا خاص ذوق تھا، اور جس کسی سفر کے دوران سعودی عرب جانے کا موقع ہو، وہ اہتمام کر کے حرمین شریفین کی حاضری کی کوشش کرتے تھے، اور ہر سال رمضان کی ۲۷ ویں شب وہاں گذارنے کا معمول تو اس کے علاوہ تھا۔ وہاں پہنچکر ساری ساری رات حرم شریف میں گذارتے، اور جن لوگوں نے انہیں وہاں حاضر ہوتے ہوئے دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ ان پر وہاں ایک عجیب عالمِ رقت طاری رہتا تھا۔ ایک محفل میں انہوں نے میرے سامنے یہ کہا کہ لوگ اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میں بار بار سعودی عرب کے دورے کیوں کرتا ہوں؟ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ میں وہاں مالی امداد حاصل کرنے جاتا ہوں، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ میں بڑا گنہگار انسان ہوں، اور مجھے بار بار وہاں سے اسٹیم بھرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مشکلات میں اللہ تعالیٰ سے رجوع مرحوم کا خاص وصف تھا، اور ایک مرتبہ ان کی زبان سے بھی نکل گیا کہ میں اہم امور میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہوں، لوگوں نے اسے "سیاسی استخارہ" کا عنوان دیکر موضوعِ بحث بنالیا۔

تواضع اور تحمل مرحوم کے دو ایسے وصف تھے کہ مخالف سے مخالف شخص بھی ان کا گہرا نقش لئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اُن کا اقتدار پاکستان کی تاریخ کا طویل ترین اقتدار تھا، جس کا بیشتر حصہ نہایت وسیع اختیارات کے ساتھ گذرا ہے، لیکن ان وسیع اختیارات نے ان کی گردن میں کبھی تناؤ پیدا نہیں کیا، وہ ہر شخص سے نہایت انکساری کے ساتھ پیش آتے، اور کسی بھی مرحلے پر اپنی بڑائی کا اظہار کرنے کا کوئی شائبہ ان کے انداز و ادا سے ظاہر نہیں ہوتا تھا۔

اُن پر اُن کے سامنے سخت سخت تنقید کی جاتی، لیکن وہ کبھی اس کا بُرا نہ مناتے، ٹھنڈے دل سے ہر ایک کی بات پوری توجہ کے ساتھ سُنتے، اور اپنی یا سرکاری اقدامات کی غلطیوں کا کھُلے دل سے اعتراف کر لیتے تھے، سخت سے سخت مصروفیت کی حالت میں بھی کبھی مخاطب کو اس بات کا احساس نہ ہونے دیتے کہ وہ جلدی میں ہیں، اور اس کی بات سُننا نہیں چاہتے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی شخص بات کرتا تو جبتک وہ از خود فارغ نہ ہو جائے، آپؐ اس کی طرف برابر متوجہ رہتے تھے۔ ایک مصروف آدمی کیلئے بلند اخلاق کا یہ طرزِ عمل بہت اونچائی کی بات ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اپنی زندگی میں صرف چند آدمی ہی ایسے دیکھے ہیں جو اکثر اوقات اس سنّت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان چند انسانوں میں سے ایک صدرِ مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق شہید بھی تھے۔

وہ اَن تھک کام کرنے کے عادی تھے، بسا اوقات رات کو دو دو بجے تک کام کرتے رہتے، اور تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔ اس کے باوجود اُن کے چہرے پر کبھی تھکن، گھبراہٹ یا جھنجھلاہٹ کا دُور دُور نشان نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بجائے انہیں ہمیشہ نہایت پُرسکون اور تر و تازہ پایا۔

مرحوم لسے کے بردہی صاحب کہا کرتے تھے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے پاس انرجی کا کوئی محفوظ خزانہ ہے"۔ اور واقعۃً ان کے حالات کو دیکھ کر بردہی صاحب مرحوم کی یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی تھی۔ یوں تو گیارہ سال میں اس کے بہت سے واقعات دیکھے، لیکن صرف ایک واقعہ بطور مثال ذکر کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ مغرب کے وقت میرے پاس اُن کا فون آیا، انہوں نے فرمایا کہ کل کابینہ

کے اجلاس میں بعض مسوداتِ قانون زیرِ بحث آرہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ کابینہ کی آخری منظوری کے وقت آپ موجود ہوں، تاکہ شرعی نقطۂ نظر سے ان کے بارے میں رائے دے سکیں۔ اس لئے اگر آپ کل صبح راولپنڈی تشریف لاسکیں تو بہت اچھا ہو، میں نے عرض کیا کہ وہ مسودات اپنی آخری شکل میں میں نے دیکھے نہیں ہیں، اور دیکھے بغیر رائے دینا مشکل ہوگا، انہوں نے کہا کہ وہ مسودات آج ہی رات میں آپ کے پاس پہنچ جائیں گے، آپ سفر سے پہلے اور سفر کے دوران انہیں دیکھ سکتے ہیں، یہ سُن کر میں نے ہامی بھر لی۔ رات کو ایک بجے مسودات میرے پاس پہنچے۔ صبح پانچ بجے میں گھر سے روانہ ہوا، اور نو بجے راولپنڈی پہنچا، اور ایئرپورٹ سے سیدھا کابینہ کے اجلاس میں چلا گیا جو میرے پہنچنے کے وقت تک شروع ہوچکا تھا۔ اُس وقت سے شام ساڑھے پانچ بجے تک اُن مسودات پر بحث ہوتی رہی، درمیان میں ظہر اور عصر کی نمازوں کا وقفہ ہوا، دوپہر کا مختصر کھانا بھی اجلاس کے دوران میز پر ہی ہوا۔ بالآخر نمازِ عصر کے بعد کی نشست میں ان مسودات پر بحث مکمل ہوئی تو صدرِ مرحوم نے فرمایا کہ "اب ہمارے سامنے کچھ دوسرے موضوعات ہیں، ہم نے آپ کا بہت وقت لیا، اب اگر آپ تشریف لیجانا چاہیں تو تشریف لیجائیں"

میں جب اُٹھکر جانے لگا تو مرحوم اپنی عادت کے مطابق پورچ تک چھوڑنے کیلئے آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ آج رات پنڈی ہی میں ہوں تو مجھے کچھ اور باتیں بھی آپ سے کرنی ہیں، میں نے عرض کیا کہ میں رات رہکر انشاء اللہ کل صبح واپس جاؤں گا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ "پھر اگر آپ رات کو نو بجے میرے گھر پر زحمت فرماسکیں تو اچھا ہو، میں نے وعدہ کرلیا، اور روانہ ہوگیا۔ بے خوابی اور مسلسل کام کی وجہ سے میں تو بہت تھک چکا تھا، اس لئے نمازِ مغرب کے بعد اچھی طرح آرام کیا۔ پھر نمازِ عشاء کے بعد ساڑھے آٹھ بجے روانہ ہوکر نو بجے سے ذرا پہلے آرمی ہاؤس پہنچ گیا۔

صدرِ مرحوم کے اے ڈی سی نے استقبال کیا، اور بتایا کہ صدر صاحب ابھی تک کابینہ کے اجلاس میں مشغول ہیں، اور اُن کا فون آیا تھا کہ آپ آئیں تو آپ کو بٹھالوں، صدر صاحب کو چند منٹ کی تاخیر ہوجائیگی۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ اجلاس کو تقریباً بارہ گھنٹے ہوچکے تھے، تھوڑی دیر بعد صدر صاحب کی گاڑی پورچ میں آکر رُکی، اور وہ گاڑی سے اُتر کر سیدھے میرے پاس کمرۂ انتظار میں پہنچے، دیکھا تو بارہ گھنٹے کے طویل اجلاس کے بعد بھی وہ اس طرح ہشاش بشاش اور تازہ دم تھے کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی غسل خانے سے نکل کر آئے ہیں۔ آتے ہی انہوں نے

نے تاخیر کی معذرت کی، اور اپنے ساتھ اپنے کمرۂ ملاقات میں لیگئے، نوکروں سے کہا کہ گھر میں کہہ دیں کہ کھانے پر انتظار نہ کریں، اور کھانا یہیں لے آئیں۔ اس کے بعد نہایت اطمینان وسکون سے بہت سے امور پر تقریباً ساڑھے دس بجے تک مجھ سے بات کرتے رہے۔ میں ساڑھے دس بجے رخصت ہونے لگا تو دیکھا کہ تین حضرات ابھی کمرۂ انتظار میں ملاقات کے منتظر ہیں۔ اے ڈی سی نے بتایا کہ ملاقاتوں کے بعد وہ تنہائی میں کام کریں گے، پھر ٹیلی فونوں کا جواب دینگے۔ اور رات دو بجے کے قریب تہجد کی نماز پڑھ کر سوئیں گے، اور فجر کیلئے پھر اُٹھ جائیں گے

اللہ تعالیٰ نے انہیں بزرگوں کی خدمت وصحبت اور اُن سے دعائیں لینے کا بھی خاص ذوق عطا فرمایا تھا، احقر کے مرشد ومربّی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہٗ کی حیات میں جب کبھی میری ملاقات ہوتی تو حضرتؒ کا حال ضرور پوچھتے، انہیں سلام کہلاتے اور دُعا کی درخواست کرتے۔

صدارت کے زمانے میں جب مرحوم کی پہلی صاحبزادی کا نکاح ہوا تو جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری کے ذریعے حضرتؒ کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ "میرا نکاح حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا، میرے بھائی کا نکاح حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے پڑھایا، اور اب میری خواہش ہے کہ میری لڑکی کا نکاح بھی حضرت تھانویؒ ہی کے کوئی خلیفہ پڑھائیں، اس لئے اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو حضرت نکاح پڑھانے کو منظور فرمالیں"۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ "اتنی ساری نسبتوں کے بعد میں کیسے انکار کردوں؟" چنانچہ حضرتؒ نے نکاح پڑھانا منظور فرمالیا۔ اس سفر میں برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم اور احقر کو بھی حضرتؒ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔

جب طیارہ راولپنڈی پہنچا تو صدر مرحوم خود پروٹوکول اور سیکیورٹی کے انتظامات سے بے نیاز جہاز کی سیڑھیوں پر حضرتؒ کے استقبال کیلئے موجود تھے، اور حضرتؒ کی تشریف آوری پر احسان مندی کے جذبات سے بچھے جاتے تھے۔ جہاز ہی سے حضرتؒ کو گاڑی میں بٹھا کر روانہ ہوئے، راستے میں مختلف باتوں کے دوران عرض کیا کہ: "حضرت! میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ آپ میرے گھر پر قیام فرمائیں، (مرحوم صدارت کے زمانے میں بھی ایوانِ صدر کے بجائے اپنے آرمی ہاؤس میں ہی آخر تک قیام پذیر رہے) لیکن پھر میں نے آپ کے قیام کیلئے ایوانِ صدر کو اس لئے

ترجیح دی کہ اس کو برکت حاصل ہو" یہ کہکر حضرتؒ کو ایوانِ صدر میں ٹھہرایا، اور یہ کہکر چلے گئے کہ "سفر میں تعب ہو گیا ہو گا، آپ کچھ دیر آرام فرمالیں، عشار کے بعد میں آکر نکاح کے لئے آپ کو لے جاؤں گا"۔

عشار کے بعد پھر آئے، اور حضرتؒ کو اپنے مکان پر لیگئے، جہاں نکاح ہونا تھا۔ نکاح کی مجلس ان کے ڈرائنگ روم میں منعقد ہوئی۔ وہاں صوفے ہٹا کر فرشی نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ نکاح کی مجلس انتہائی سادہ اور مختصر تھی، مشکل سے بیس پچیس آدمی ہوں گے جن میں گھر کے افراد کے علاوہ ملتان میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جناب مولانا ظفر احمد انصاری، دو تین علماء، دو تین وزراء اور فوج کے چند اعلیٰ افسران شامل تھے۔ دو گاؤ تکیوں پر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ تشریف فرما تھے اور سامنے باقی لوگ بیٹھے تھے۔ صدرِ مرحوم انہی لوگوں کے درمیان ایک عام آدمی کی طرح باادب بیٹھے رہے۔ نکاح کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ نے اپنی عادت کے مطابق نصیحتیں شروع فرمادیں، اور تقریباً گھنٹہ بھر تک یہ محفل حضرت کی مجلسِ ارشاد میں تبدیل ہو گئی۔

اسی دوران اسی کمرے میں فرش پر کھانے کیلئے دسترخوان بچھائے گئے، وہیں پر کھانا ہوا کھانے کے بعد پھر حضرتؒ کے مواعظ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں نے بعض وجوہ سے اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفا دیدیا تھا۔ (جس کی وجوہ "البلاغ" کے اسی دور کے کسی شمارے میں تفصیل سے شائع ہو چکی ہیں)۔ اس موقع پر صدرِ مرحوم نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے عرض کیا کہ "مولانا تقی عثمانی صاحب نے اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفا دیدیا ہے" اسلامی قوانین کے نفاذ کیلئے کونسل کو ان کی ضرورت ہے، آپ ان سے فرمادیں کہ یہ دوبارہ کونسل کی رکنیت قبول کرلیں"۔ حضرتؒ نے برجستہ جواب دیا کہ "انہوں نے میرے مشورے سے استعفا دیا ہے، اور میں ہرگز ان سے نہیں کہوں گا کہ یہ دوبارہ رکنیت قبول کریں"۔ صدر صاحب نے وجہ پوچھی تو حضرتؒ نے فرمایا کہ "جو قوانین یہ مرتب کرتے ہیں، آپ کی کابینہ اس میں ایسی تبدیلیاں کردیتی ہے جو شریعت کے مطابق نہیں ہوتیں"۔ صدر صاحب اس پر کچھ اپنی مجبوریاں پیش کرتے رہے، لیکن حضرتؒ نے انہیں تسلیم نہ کیا، بالآخر طویل ردوقدح کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ "اگر اس قسم کی کوئی عملی مجبوریاں ہوں تو آپ کو چاہیئے کہ وہ کونسل کے علم میں لائیں، تاکہ کونسل ان مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی شرعی حل تجویز کرسکے"۔ صدر صاحب نے اس کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ "جب کبھی کونسل کی سفارشات کابینہ میں زیرِ بحث آئیں گی، تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان کی آخری

منظوری سے پہلے ان سے مشورہ کیا جائیگا" پھر کہنے لگے کہ "حضرت! انشاء اللہ ہم اپنی غلطیوں کا بوجھ ان پر نہیں ڈالیں گے"۔

یہ سُنکر حضرت نے اجازت دیدی، میں اس پورے عرصے میں خاموش تھا، اگرچہ جس بنیادی وجہ کی بنا پر میں نے استعفا دیا تھا (یعنی فرقہ وارانہ بنیاد پر پبلک لا میں تفریق) اس میں اب خاصی تبدیلی آچکی تھی، لیکن کئی سال کونسل میں شب و روز کی دماغ سوزی کے بعد میں اپنے ذہن کو کونسل سے یکسو کرچکا تھا (اور یہ ارادہ کیا تھا کہ کوئی ضابطے کی ذمہ داری قبول کئے بغیر نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں جو خدمت بن پڑیگی، وہ ادا کرتا رہوں گا، لیکن کونسل کی رکنیت قبول نہیں کروں گا) اس لئے اب دوبارہ اُس طرف لوٹنا مجھے بہت شاق معلوم ہورہا تھا، لیکن حضرت کی ایماء دیکھی تو خاموش ہوجانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، صدر صاحب نے حضرت کی طرف سے رضامندی کا اشارہ پایا تو میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: "بس فیصلہ ہوگیا، مبارک ہو"۔

اتفاق سے اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد ملک میں یہ مطالبہ زور پکڑ گیا کہ وفاقی شرعی عدالت میں علماء کو بطور جج مقرر کیا جائے۔ اس موقع پر صدر مرحوم کی رائے بدلی اور انہوں نے کونسل کے بجائے مجھے وفاقی شرعی عدالت کا جج مقرر کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ میں اگرچہ وفاقی شرعی عدالت میں عُلماء کے وجود کو نہایت ضروری سمجھتا تھا، لیکن خود یہ ذمہ داری قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھا، جس کی بہت سی وجوہ تھیں۔ چنانچہ شروع میں احقر نے حتمی طور پر معذرت کردی، لیکن صدر صاحب کا اصرار جاری رہا، اور بالآخر اس معاملے میں بھی جیت اُنہی کی ہوئی (جس کی تفصیل اس وقت موضوع سے خارج ہے) اور میں کونسل کے بجائے وفاقی شرعی عدالت اور پھر سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ میں پہنچ گیا۔

اس واقعے کے کئی سال بعد صدر مرحوم بنگلہ دیش کے دورے پر گئے ہوئے تھے، ایک روز مغرب کے بعد انہوں نے ڈھاکہ سے مجھے فون کیا، اور کہا کہ میری ایک دوسری لڑکی کی شادی ہونے والی ہے، پہلے کی طرح اِس مرتبہ بھی میری خواہش ہے کہ نکاح حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ پڑھائیں، لیکن مجھے اندازہ نہیں ہے کہ حضرت کی صحت اس کی اجازت دیگی یا نہیں؟ میں اپنی خواہش کے باوجود حضرت پر عذر کرنے میں تکلف ہو، اس لئے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اگر حضرت کی صحت متحمل ہو، اور طبیعت پر ذرا بھی بار ہو تو عذر فرمادیں، ایسی صورت میں میری طرف سے اصرار بالکل نہیں ہے، میں ایک گھنٹے کے بعد پھر فون کرکے جواب معلوم کرونگا۔

میں نے حضرتؒ کو فون کر کے صدرِ مرحوم کی بات من وعن نقل کر دی، حضرتؒ نے اُن کی اس رعایتِ مزاج کو پسند فرمایا، اور فوراً بلا تأمل منظوری دیدی۔ چنانچہ جب ایک گھنٹے بعد صدر صاحب کا دوبارہ فون آیا تو میں نے حضرتؒ کی طرف سے منظوری نقل کر دی، جس پر وہ بہت خوش ہوئے، اور اس کے بعد براہِ راست حضرتؒ سے فون پر گفتگو کی۔

اس سفر میں احقر حضرتؒ کے ساتھ نہ جا سکا، البتہ برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم اور حضرتؒ کے پوتے ساتھ گئے۔ پھر ایک ہفتے بعد صدر صاحب کے صاحبزادے کا نکاح بھی حضرتؒ ہی نے پڑھایا۔

ان تمام مواقع پر انہوں نے حضرتؒ کے ساتھ صرف نیاز مندانہ نہیں، خادمانہ معاملہ فرمایا، یہاں تک کہ حضرتؒ کے جُوتے سیدھے کرنے میں بھی وہ ہم اور دوسرے خدام سے پہل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

مرشدی حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہم العالی پاکستان تشریف لاتے تو عموماً آپ کا قیام لاہور میں ہوتا تھا۔ صدرِ مرحوم اہتمام کے ساتھ زیارت اور دُعائیں لینے کے لئے حضرت مدظلہم کی خدمت میں جاتے تھے۔ اسی طرح ملتان کے حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی نہایت نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ غرض بزرگوں کی زیارت وخدمت کا انہیں خاص ذوق تھا۔

احقر لکھنے پڑھنے کے مشغلے کی وجہ سے طبعاً خلوت پسند واقع ہوا ہے، روابط بڑھانے کے فن سے قطعی ناآشنا ہے، جن لوگوں سے از خود کوئی تعلق پیدا ہو جائے وہاں بھی جلد بے تکلف ہونے کی عادت نہیں، صدرِ مرحوم سے پہلی ملاقات ۱۹۷۷ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیلِ جدید کے بعد اس کے افتتاحی اجلاس میں ہوئی۔ اس کے بعد تقریباً ڈھائی سال تک میں کونسل میں رہا، اس دوران کونسل کے چیئرمین یا دوسرے ارکان کے ہمراہ بارہا کونسل کی سفارشات کے سلسلے میں ان سے ملاقات ہوتی رہی، مختلف اجلاسات میں بھی ساتھ رہا، صدرِ مرحوم نے مجھ سے کئی بار کہا بھی کہ آپ جب چاہیں، کسی معاملے میں مجھ سے ملاقات کر لیا کریں، لیکن میں نے اس پورے عرصے میں ان سے کبھی علیحدہ ملاقات کی کوشش نہیں کی، اور جو بات کہنی ہوتی، اجتماعی ملاقاتوں ہی میں کہہ دیا کرتا تھا۔

بالآخر جب ملک میں فرقہ وارانہ بنیادوں پر پبلک لا میں تفریق کا سنگین خطرہ پیدا ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ اپنی بساط کی حد تک صدر مرحوم کو اس معاملے کی سنگینی سے آگاہ کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ کونسل سے مستعفی ہو جاؤں، چنانچہ میں نے استعفا دے دیا۔

اس موقع پر احقر کے مخدوم بزرگ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہم العالی نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں احقر کو یہ مشورہ دیا، بلکہ تاکید فرمائی، کہ ملک میں نفاذِ شریعت کی جو جدوجہد شروع ہوئی ہے، اُس میں حتی المقدور حصہ لیتا رہوں۔ اس مکتوب کے مندرجۂ ذیل فقرے نقل کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عالم اسلام کے اہلِ نظر صدر موصوف کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے مولانا مدظلہم نے فرمایا:۔

"اس وقت آنا ضرور لکھتا ہوں کہ آپ اپنی موجودہ ذمہ داری کو کسی طرح ترک نہ فرمائیں۔ آپ کا شریک رہنا بڑے خیر و برکت کا باعث ہوگا، اور اس سے توازن واعتدال برقرار رہے گا۔ اس دائرے کے مرکزی نقطے سے آپ جتنے قریب اور مشوروں میں شریک ہوں، اس میں بالکل تامل نہ کریں۔ میں نے رباط سے لیکر رابطہ تک سب کو دیکھا ہے، مدار علیہ شخصیتوں میں سے کوئی بھی اندر سے ایسا مسلمان نظر نہیں آیا جیسے کہ صاحبِ موصوف (اپنی تمام کمزوریوں اور خامیوں کے ساتھ)۔ میں چاہتا ہوں کہ علماء کا رول، خاص طور پر آپ کا، اس دائرہ کے اندر وہی ہو جو رجاء بن حیوۃؒ کا سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں تھا، اور جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شکل میں خلیفۂ راشد نصیب ہوا، یا کم سے کم وہ ہو جو حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کا اپنے عہد حکومت میں تھا اور جس کا حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں بار بار حوالہ دیتے ہیں:۔

"من اگر شیخی کنم، ہیچ شیخ در دنیا مریدے نیابد، لاکن مرا کارے دگر فرمودہ اند"

اس کی حضرت مجددؒ تشریح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہلِ اقتدار سے مل کر اور تعلقات قائم کر کے احکامِ شرعیہ کا اجراء و نفاذ اور بدعات

منکرات کا ازالہ تھا۔"

صدرِ مرحوم کے بارے میں میری ذاتی رائے بھی قریب قریب وہی تھی جو حضرت مولانا مدظلہم نے بیان فرمائی، لیکن اُس وقت حالات کچھ ایسے تھے کہ میں نے کونسل سے باہر رہکر ہی مقدور بھر خدمت کا فیصلہ کیا، اور پھر وہ واقعہ پیش آیا جو حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ کے سفرِ راولپنڈی کے ذیل میں لکھ چکا ہوں۔

اس زمانے میں صدرِ مرحوم نے مجھے از خود تنہائی میں ملاقات کی دعوت دی، اپنا خصوصی ٹیلی فون نمبر دیا تاکہ وقتاً فوقتاً دینی معاملات کے سلسلے میں اُن سے رابطہ ہو سکے۔ اس کے بعد علیحدہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہوا۔

احقر نے یہ طے کیا تھا کہ ٹیلی فون پر بات ہو یا ذاتی ملاقات، ان شاء اللہ کبھی اپنی، اپنے کسی دوست یا کسی عزیز کی کوئی درخواست لیکر کبھی اُن کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس عزم پر قائم رکھا، اور گیارہ سال کے عرصے میں، ایک عزیز کی حج کی درخواست کے سوا، کبھی کوئی انفرادی مسئلہ میں نے ان کے سامنے پیش نہیں کیا، اور ملاقاتوں کے دوران ہمیشہ دینی معاملات ہی پر بات ہوئی، اور الحمد للہ بہت سے امور میں یہ ملاقاتیں مفید ثابت ہوئیں، صدرِ مرحوم کے عہد کے جن کاموں کا اجمالی تذکرہ پیچھے کیا گیا ہے، اُن میں اللہ تعالیٰ نے ان ملاقاتوں کا بھی حصہ لگایا۔ اس کے علاوہ ان کاموں کے سلسلے میں حکومت کو غلط رُخ پر ڈالنے کی بہت سی کوششوں کی مقاومت کا بھی موقع عطا فرمایا۔

مذکورہ اہم اور بنیادی کاموں کے علاوہ نہ جانے کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی تھیں جو صدرِ مرحوم کو توجہ دلانے سے انجام پاگئیں۔ راولپنڈی میں ایک ملاقات کے دوران میں نے صدرِ مرحوم سے ذکر کیا کہ کراچی میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے احسانات پاکستان پر اتنے زیادہ ہیں کہ ان سے، ہم عمر بھر عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس کے باوجود سرکاری سطح پر ان شخصیتوں کی ناقدری کا حال یہ ہے کہ اُن کے مزارات تک کی حفاظت کا ابتک کوئی انتظام نہیں ہے، جب سے ان مزارات پر اسلامیہ کالج تعمیر ہوا ہے، مزار پر حاضری انتہائی مشکل ہو گئی ہے، مزاروں کے آس پاس گندگی بھی بہت زیادہ ہے، اور مزار تک پہنچنے کا باہر سے کوئی راستہ نہیں۔

صدرِ مرحوم نے اس صورتِ حال پر افسوس کا اظہار کیا، اور کہا کہ واقعی یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے کہ ملت کے ایسے محسنوں کے مزارات کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے،

میں سندھ کے گورنر صاحب سے کہوں گا کہ وہ مزارات کے تحفظ کا مناسب انتظام کریں۔

مَیں نے عرض کیا کہ "میرے خیال میں تو اتنا کافی نہیں ہوگا، آپ کسی وقت خود مزار پر جاکر صورتِ حال کا اندازہ کریں، یُوں بھی ان حضرات کے مزارات پر حاضری ایک سعادت ہے۔ اس کے بعد موقع پر خود احکام جاری فرمائیں۔

صدر صاحب نے فوراً جواب دیا: "بالکل ٹھیک ہے، مجھے کل ہی کراچی جانا ہے، وہاں خود حاضری دوں گا، اور صورتِ حال کو دیکھ کر مناسب کارروائی کروں گا۔"

میں اُس زمانے میں اسلام آباد میں مقیم تھا۔ اگلے دن اخبارات میں پڑھا کہ صدر صاحب کراچی ائیرپورٹ سے سیدھے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مزارات پر حاضر ہوئے، فاتحہ پڑھی، اور مزارات کے آس پاس سے گندگی اور ملبہ صاف کرکے مزار کیلئے مستقل راستہ بنانے کے احکامات جاری کئے۔

چند ماہ بعد میں مزار پر حاضر ہوا تو علاقے کا حُلیہ بدل چکا تھا۔ دونوں بزرگوں کے مزارات کو کالج سے علیحدہ کرکے ان کے گرد عمدہ چار دیواری تعمیر ہو چکی تھی، باہر سے راستہ بن چکا تھا، دونوں بزرگوں کے اقوال پر مشتمل کتبے دیواروں پر لگائے جا رہے تھے، اور مزارات پر حاضری کا مسئلہ بحمد اللہ حل ہو گیا تھا۔

ایک اور ملاقات میں، مَیں نے صدر مرحوم سے ذکر کیا کہ میں نے پی آئی اے والوں کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ پرواز شروع کرنے سے پہلے سفر کی دُعا یعنی سُبحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ الخ پڑھا کریں۔ اس پر پی آئی اے کے متعلقہ ذمہ داروں سے کافی خط و کتابت ہوئی، شروع میں وہ اس تجویز کو ماننے کیلئے تیار نہ تھے، آخر میں آمادگی کا اظہار کر دیا تھا، لیکن اب اس واقعے کو بھی تین سال سے زیادہ ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ سعودی ائیر لائنز والوں نے یہ آیت پڑھنی شروع کر دی ہے۔ لیکن پی آئی اے میں آج تک شروع نہیں ہوئی۔ شہید مرحوم نے تجویز کو بہت پسند کیا، اور فوراً اپنے پاس نوٹ کر لیا۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد پی آئی اے میں پرواز سے پہلے یہ آیت پڑھی جانے لگی۔

ہر سال ربیع الاول کے موقع پر اسلام آباد میں سیرت کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ جب میں پہلی بار اس کانفرنس میں شریک ہوا تو یہ دیکھ کر شدید تکلیف ہوئی کہ کانفرنس میں مردوں عورتوں کا مخلوط اجتماع تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی پر اجتماع منعقد ہو، اور اس میں آپ کے احکام کی اس قدر صریح خلاف ورزی کی جائے؟ احقر واپس چلا آیا، اور

آئندہ سال جب کانفرنس کا دعوت نامہ آیا تو میں نے لکھ کر بھیجدیا کہ مردوں عورتوں کا مخلوط اجتماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی صریح خلاف ورزی ہے، اس لئے میں گنہگار ہونے کے باوجود سیرت کے نام پر ایسے اجتماع میں حاضری سے معذور رہوں۔

خیال یہ تھا کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنے گا؟ اس سے قبل یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ ایک غیر سرکاری کانفرنس ایک ایسے صاحب کے انتظام میں منعقد ہو رہی تھی جو اسلام کے ساتھ اپنے لگاؤ میں خاصے مشہور ہیں، اس میں مخلوط اجتماع کی اطلاع ملی تھی تو وہاں بھی برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور احقر نے اسی عنوان سے معذرت کرلی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ منتظمین کو یہ "رجعت پسندانہ" بات بہت ناگوار گذری، اور بعض حضرات نے اس پر یہ تبصرہ کیا کہ "اچھا، اب یہ بھی اسلام کے ٹھیکہ دار بن گئے"۔

جب ایک غیر سرکاری کانفرنس کے اسلام پسند منتظمین کا ردِعمل یہ تھا تو ایک سرکاری کانفرنس کے منتظمین سے کسی بہتر ردِعمل کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ لیکن میں نے یہ سوچ کر خط لکھ دیا تھا کہ کم از کم اپنا فرض ادا کردیا جائے، اور منتظمین کو یہ محسوس تو ہو کہ کچھ لوگ اس بنا پر عذر کرسکتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وزارتِ مذہبی امور کے بعض افسران نے میرا یہ خط شہید مرحوم صدر ضیاء الحق صاحب کے پاس بھیجدیا۔ صدرِ مرحوم نے یہ خط پڑھکر احکام جاری کردیئے کہ آئندہ سیرت کانفرنس میں مردوں عورتوں کا مخلوط اجتماع نہ کیا جائے۔ ان احکام کی اطلاع اُن خواتین کو ہوئی جو ہر سال سیرت کانفرنس میں آیا کرتی تھیں تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔ اور اس سلسلے میں خواتین کے وفود صدر صاحب سے ملے۔ بالآخر صدرِ مرحوم نے مردوں اور عورتوں کیلئے الگ الگ اجتماعات کرنے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ اب اسی پر عمل ہوتا ہے۔

کئی بار ایسا بھی ہوا کہ کسی خاص معاملے میں مرحوم سے کوئی بات کہنی شروع کی تو اندازہ ہوا کہ انہیں پہلے سے اس کا احساس ہے۔

تقریباً دو سال کی بات ہے کہ میں سوڈان گیا ہوا تھا، جس روز کراچی واپس آیا، اسی دن اخبار میں دیکھا کہ ایک مقامی ہوٹل میں (غالباً اٹھارہ انیس سال تک کے) لڑکوں لڑکیوں کے مقابلہ صحت وخوبصورتی کا اہتمام کیا جارہا ہے، محسوس یہ ہوا ہے کہ پاکستان میں مقابلہ حسن کی تیاری اور اس کا مقدمہ ہے۔ اسی دن اس ہوٹل کے پاس سے گذرنا ہوا تو وہاں بینر بھی لگے ہوئے تھے جس سے اس بات کی تصدیق ہوگئی۔ برادر محترم مولانا مفتی محمد رفیع

عثمانی صاحب نے اس کے خلاف بیان بھی دیا تھا۔ منتظمین کی طرف سے اس کے جوابات بھی دیئے گئے مگر پروگرام جوں کا توں رہا۔ پاکستان جیسے ایک اسلامی ملک میں ایسے مقابلے منعقد کرنے کی جرأت ایسی وحشتناک خبر تھی کہ میں بے چین ہوگیا، لیکن اس اجتماع میں صرف ایک دن باقی تھا، اور ہاتھ پاؤں مارنے کی گنجائش باقی نہ تھی۔ بالآخر میں نے صدر مرحوم کو فون کیا۔ اُن کو فون کرنے کا طریقہ عموماً یہ ہوتا تھا کہ آپریٹر فون کرنے والے کا نام اور نمبر لکھ لیتا تھا، جب صدر صاحب کو وقت ملتا، وہ دوبارہ فون کیا کرتے تھے، اور چونکہ عموماً وہ رات گئے کاموں سے فارغ ہوتے تھے، اس لئے فون کا جواب اکثر رات کو بارہ بجے کے بعد، کبھی ایک بجے، کبھی دو بجے آیا کرتا تھا۔ جو لوگ ان کو فون کیا کرتے تھے، ان کو یہ بات معلوم تھی، اس لئے وہ دیر تک جاگنے کا ارادہ لیکر ہی فون کرتے تھے۔ لیکن اُس روز بارہ بجے سے پہلے ہی فون آگیا۔

صدر صاحب نے علیک سلیک کے بعد پوچھا: "فرمایئے، کیسے یاد فرمایا؟" میں نے عرض کیا کہ میں آج ہی سوڈان سے واپس پہنچا ہوں، اور یہاں پہنچ کر ایک اتنی تکلیف دہ بات کی اطلاع ملی ہے کہ اس پر افسوس کے اظہار کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں"۔

ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا، اور اس تکلیف دہ بات کی وضاحت بھی نہیں کر سکا تھا کہ دوسری طرف سے آواز آئی:

"مولانا! وہ بات تو ختم ہوگئی"۔

میں نے عرض کیا: "کونسی بات؟"

کہنے لگے: "آپ اُسی مقابلے کے بارے میں فرمانا چاہتے ہیں جو کل منعقد ہونے والا تھا؟"

میں نے کہا: "جی ہاں"، کہنے لگے: "میں اسی کو کہہ رہا ہوں کہ وہ ختم ہوگیا"۔

میں نے مزید اطمینان کیلئے تصدیق چاہی کہ: "آج شام تک تو منسوخی کی کوئی اطلاع نہیں تھی؟"

فرمانے لگے: "ہاں! مگر اب وہ نہیں ہوگا، آپ بالکل مطمئن رہیں"،

اس کے بعد سوڈان کے سفر کے بارے میں پوچھتے رہے، اور پھر بات ختم ہوگئی۔ صبح اخبار آیا تو اس میں اس پروگرام کی منسوخی کی خبر موجود تھی۔

غرض اس قسم کی نہ جانے کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں اُن سے ملاقات یا گفتگو کے نتیجے میں درست ہوئیں، اور کم از کم یہ بات تو تھی ہی کہ اُن سے ملک کے دینی حالات کے بارے میں کوئی بات کہنے میں کوئی تکلف نہیں تھا، کوئی بات اُن کی رائے کے کتنے خلاف ہو، لیکن

وہ اُسے ٹھنڈے دل سے سُنتے تھے، اور دینی معاملات میں اپنی کسی رائے پر ہر حال میں جمے رہنے کا معمول نہیں تھا۔

اُن کے یہ محاسن شمار کرنے سے ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ اسلامی اعتبار سے کوئی آئیڈیل حکمران تھے، نہ خود اُن کو کبھی یہ دعویٰ ہوا، اور بلاشبہ اُن کے زمانے میں بہت سے سخت قابلِ اعتراض امور بھی سامنے آتے رہے، جن پر دینی اعتبار سے تنقید ہوتی رہی بعض دینی معاملات میں محسوس ہوتا تھا کہ خود اُن کا ذہن صاف نہیں ہے، بعض اہم معاملات کی طرف سے بے توجہی اور بعض غیر اہم معاملات پر زیادہ توجہ کی بھی شکایت رہتی تھی، اور ان کی بعض پالیسیاں ایسی بھی تھیں جو آج تک سمجھ میں نہیں آسکیں۔ بلکہ میرا معاملہ تو یہ رہا کہ ان سے گفتگو کے دوران زیادہ تر حکومت کے مختلف اقدامات پر تنقید ہی کا پہلو غالب رہتا تھا، لیکن بحمداللہ یہ تنقید خالص دینی نقطۂ نظر سے ہوتی تھی، اور یہ بات کتنی سخت کیوں نہ ہو، خیر خواہی کے جذبے سے ہوتی تھی۔ اور یہ بات مدِّ نظر رہتی تھی کہ سابق اور آئندہ متوقع حکمرانوں کے مقابلے میں دینی اعتبار سے وہ اِس دور میں بہت مغتنم حکمران ہیں، اور محض اس بنا پر ان کے اچھے اقدامات کی مخالفت میں جائز نہیں سمجھتا تھا کہ وہ جمہوری انتخاب کے بغیر برسرِ اقتدار آئے ہیں۔

ہمارے ملک میں پارلیمانی اندازِ جمہوریت کو ایک فیشن کے طور پر آئیڈیل نظامِ حکومت قرار دے لیا گیا ہے، اور ہماری چالیس سالہ تاریخ یہ رہی ہے کہ جو لوگ حکومت میں آگئے، وہ یہ دعویٰ کرتے رہے کہ انہوں نے جمہوریت قائم کردی ہے، اور جو لوگ حکومت سے باہر رہے، وہ اس بات پر احتجاج کرتے رہے کہ جمہوریت کو کچل دیا گیا ہے، اور جب تک وہ برسرِ اقتدار نہیں آجائیں گے، جمہوریت بحال نہیں ہوسکے گی، اسی جمہوریت کو کچلنے کی وجہ سے جس طبقے کو اقتدار سے اُتار گیا، اُترنے کے بعد وہی طبقہ پھر جمہوریت پرستوں کے حلقے میں شامل ہوجاتا ہے، اور دوسرے جمہوریت پسند جو کل تک اُسے جمہوریت دُشمن قرار دیتے آئے تھے، اب جمہوریت کی بحالی کیلئے اُسے اپنے سر پر بٹھانے کیلئے تیار ہوجاتے ہیں۔

اس سیاسی کھیل سے تو راقم کو کبھی دلچسپی نہیں رہی، لیکن یہ درست ہے کہ صدر مرحوم معروف جمہوری طریقوں سے برسرِ اقتدار نہیں آئے تھے، بلکہ اُن کا برسرِ اقتدار آنا اُس تحریک کا منطقی نتیجہ تھا جو سیاست داں حضرات نے بھٹو صاحب مرحوم کو اُتارنے کے لئے چلائی

تھی۔ لیکن جتنی "جمہوری حکومتوں" کا ابتک ہم نے تجربہ کیا ہے، صدرِ مرحوم کی حکومت کا دور بحیثیتِ مجموعی اُن سے زیادہ شریفانہ دور تھا جس میں سیاسی مخالفین کے ساتھ اُس طرح کا تشدد روا نہیں رکھا گیا جو پچھلی حکومتوں میں عام تھا۔ حکومت اور اس کے اقدامات پر کھُلے عام تنقید، بلکہ تنقیص تک، ہوتی رہی، مگر محض اس کی بنا پر کسی کو اپنے انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا گیا، بلکہ سیاسی حریفوں کیلئے کبھی کوئی ثقیل لفظ بھی صدرِ مرحوم کی طرف سے کم از کم مجھے یاد نہیں۔

ان کے مخالفین نے ان کے خلاف عیب جوئی کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، لیکن آجتک کوئی شخص یہ الزام عائد نہیں کر سکا کہ انہوں نے اقربا پروری، یا ذاتی زراندوزی کیلئے منصبِ صدارت کو استعمال کیا، اُن کے بیٹوں کے نام تک قوم کو ان کی شہادت کے بعد معلوم ہوئے۔ اُن کے بھائی آخر دم تک عام دُکان میں ملازمت کرتے رہے۔

تقریباً دو ماہ پہلے کی بات ہے، ایک سفر کے دوران جہاز میں کسٹم کے ایک ڈائریکٹر میرے ہم سفر ہو گئے، گفتگو کے دوران وہ اپنی کچھ مشکلات بیان کرنے لگے کہ ہم اگر اونچے سرکاری افسران یا ارکان پارلیمنٹ کا سامان کبھی کھول کر چیک کرلیں تو ہماری شامت آجاتی ہے، حالانکہ صدرِ مملکت کے سوا ہمیں قانوناً ہر شخص کے سامان کی چیکنگ کا اختیار حاصل ہے۔ البتہ ملک میں ایک شخص ہے جو غیر ملکی سفر سے واپسی پر اپنے سامان کی چابیاں کسٹم آفیسر کے حوالے کرنیکا حوصلہ رکھتا ہے، اور وہ ہے صدر ضیاء الحق۔ وہ چیکنگ سے مستثنیٰ ہونے کے باوجود کہہ دیتا ہے کہ اگر کوئی سامان ڈیوٹی کے لائق ہو تو میرے ملٹری سیکرٹری سے وصول کرلینا۔ اور ایک مرتبہ اس نے اپنے ہم سفروں کے سامان کی چیکنگ کی بھی ہدایت کر دی تھی تو اس دن تقریباً دس بارہ عدد ایسے تھے جن کو کسی نے اپنی ملکیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

مرحوم نے اگرچہ ٹیلی فون کے ذریعے گفتگو اور شخصی طور پر ملاقات کے ایسے مواقع فراہم کر رکھے تھے جو طویل رسمی طریق کار سے مبرا تھے، لیکن میں نے کبھی ان کو شدید دینی ضرورت کے سوا کبھی استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ اُن سے شخصی ملاقاتیں بہت زیادہ نہیں ہوئیں، اُن کے ساتھ جو حالات و واقعات گذرے، اُن سب کی تفصیل اور اُن پر تبصرہ اس وقت مقصود نہیں۔ اِس وقت اجمالی طور پر اُن کے محاسن اور اپنے اُن جذبات کا اظہار مقصود تھا جو اُن کی زندگی میں کبھی ذکر کرنے کا موقع نہیں ملا۔

اُن سے میری آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب انہوں نے شریعت آرڈیننس

کے سلسلے میں مشورے کیلئے اسلام آباد آنے کی دعوت دی، اس موقع پر دو دن تقریباً پورے کے پورے اُن کے ساتھ آرڈی ننس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو میں گذرے۔ اگرچہ بیشمار اندرونی اور بیرونی مسائل کی وجہ سے اُن پر اُس زمانے میں کام کا بہت دباؤ تھا، لیکن وہ حسبِ معمول صبح نو سے شام تک پوری یکسوئی کے ساتھ شریعت آرڈی ننس پر بحث میں مصروف رہے۔ بحث کی تکمیل کے بعد دوسرے حضرات آرڈی ننس کی تبییض کے انتظار میں ایک دن مزید رُکے، لیکن میں بعض مصروفیات کی بنا پر دو روز بعد صدر صاحب سے اجازت لیکر چلا آیا۔ چلتے وقت حسبِ معمول وہ دروازے تک پہنچانے کیلئے آئے، شریعت آرڈی ننس کے بعد بعض دوسرے امور کیلئے بھی مختصر مشورہ کیا، اور فرمایا کہ میں ان معاملات کو بھی آخری شکل دینا چاہتا ہوں، اور اس کیلئے آپ کو پھر زحمت دینا چاہوں گا۔ میں نے ہامی بھرلی، لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ ان کے ساتھ آخری ملاقات ہے، اور اب اسلام آباد آنے کی "زحمت" وہ کسی اور عنوان سے دینے والے ہیں۔

۳ محرم / ۱۷ اگست کو مغرب کے بعد میں گھر آیا تو میرے بھتیجے مولوی زبیر اشرف سلمہٗ نے بتایا کہ "ناظم آباد سے ایک خاتون کا فون آیا تھا، وہ روتی ہوئی یہ خبر دے رہی تھیں کہ صدر ضیاء الحق صاحب کسی طیارے کے حادثے میں شہید ہو گئے ہیں" ــــ دِل پر ایک دھکا سا لگا، لیکن اس قسم کی خبریں پہلے بھی کئی مرتبہ اُڑ چکی تھیں، خبر کا ذریعہ بھی کچھ مصدقہ نہ تھا، میں نے دِل ہی دِل میں خبر کی تردید کی کوشش کی، مگر زبیر میاں نے کہا کہ "میں نے "جنگ" کے دفتر میں فون کیا تھا، انہوں نے بتلایا کہ ہمارے پاس بھی اس قسم کی اطلاعات آئی ہیں، مگر ہم ابھی تصدیق کر رہے ہیں"۔ پانچ دس منٹ بعد ریڈیو کی خبریں ہونے والی تھیں، آٹھ بجے ریڈیو کھولا تو پہلی ہی خبر دل چیرتی چلی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گیارہ سال کے دوران مرحوم کی دعوت پر یا اُن کے چھیڑے ہوئے کاموں کے سلسلے میں شاید سینکڑوں بار اسلام آباد جانا آنا ہوا، لیکن ۶ محرم / ۲۰ اگست کی صبح اسلام آباد کا سفر کچھ عجیب و غریب کیفیات کا حامل تھا، جہاز میں اور بھی بہت سے لوگ شہیدِ مرحوم کے جنازے میں شرکت کیلئے جا رہے تھے۔ میں برادرِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کے ہمراہ تھا، لیکن راستہ بھر ایک سوگوار سکوت طاری رہا۔ اسلام آباد اُترے تو وہاں بھی ماحول انتہائی اداس تھا۔

ہم نے پہلے صدرِ مرحوم کے اہلِ خانہ کی تعزیت کیلئے اُن کے گھر جانا چاہا، لیکن وہاں

ایک عجیب عالم نظر آیا۔ مکان کے ایک دروازے پر غریب اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس خواتین کا ایک انبوہ جمع تھا، اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا، دوسرے دروازے پر مردوں کا یہی عالم تھا، اور آنے جانے والوں کی قطار لگی ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ میت ابھی ابھی گھر میں پہنچی ہے، اس لئے اندازہ ہوا کہ اندر گھریلو ماحول ہوگا، ہم نے اس موقع پر اندر جانا مناسب نہ سمجھا، اور قیامگاہ پر آگئے، لیکن راستہ بھر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کھڑے دیکھے جو شاید اس انتظار میں کھڑے تھے کہ میت یہاں سے گذریگی۔

نماز جنازہ فیصل مسجد میں ہونی تھی، خیال یہ تھا کہ ہجوم خاصا ہوگا، اس لئے ہم کافی پہلے راولپنڈی سے روانہ ہوئے اور ائیر پورٹ کی طرف سے اسلام آباد جانے والی سڑک پر پہنچے، ابھی مری روڈ تک پہنچنے سے پہلے آدھا راستہ باقی تھا کہ سڑک پر دونوں طرف پیدل چلنے والوں کا ایک نہ ختم ہونے والا ہجوم نظر آیا، یہاں سے فیصل مسجد آٹھ نو میل سے کم نہیں ہوگی، لیکن یہ لوگ تپتی ہوئی دھوپ کی پرواہ کئے بغیر پیدل لپکے ہوئے جا رہے تھے، مری روڈ عبور کرنے کے بعد اس تعداد میں بہت اضافہ ہوگیا۔ اور زیرو پوائنٹ تک پہنچتے پہنچتے گاڑی کا چلنا مشکل ہوگیا۔ یہاں سے چھتوں تک لدی ہوئی بسیں اور ویگنیں بھی ان گنت تعداد میں نظر آنے لگیں۔ اور ابھی فیصل مسجد دو ڈھائی میل دور تھی کہ عام ٹریفک نے لوگوں کو وہیں اُتارنا شروع کردیا، اور سڑک پر چلنے کی جگہ نہ رہی، ہماری گاڑی رینگ رینگ کر آگے سرکتی رہی، یہاں تک کہ جب ہم فیصل مسجد کے مین روڈ پر پہنچے تو سڑک بالکل بلاک تھی، اور چاروں طرف حدِ نظر تک انسانی سروں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، جس کی انتہا نظر نہیں آتی تھی، فیصل مسجد میں عمارت کے اندر ایک لاکھ نمازیوں کی گنجائش ہے، اور اس سے ملحق سبزہ زاروں میں چار لاکھ انسان نماز پڑھ سکتے ہیں، اور فیصل مسجد انسانوں کے اس سمندر میں ایک چھوٹی سی عمارت محسوس ہوتی تھی، لہٰذا حاضرین کا اندازہ دس سے پندرہ لاکھ تک کا تھا، یہ بات بھی واضح اور بدیہی تھی کہ ان لاکھوں افراد کو کوئی زمیندار، کوئی صنعت کار یا کوئی حاکم زبردستی یہاں نہیں لایا، حکومت کی طرف سے جنازے میں شرکت کیلئے کوئی خصوصی انتظام نہیں تھا، فیصل مسجد جیسی دور دراز جگہ تک لوگوں کو پہنچانے کے لئے انتظامات بالکل ناکافی تھے، اگرچہ اُس روز بس مالکان نے بسیں کرایہ کے بغیر چلائیں، اور ان کا کوئی ایسا حصہ جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ ہو، خالی نہیں رہا، لیکن یہ تمام بسیں مل کر بھی مجمع کو منتقل کرنے کیلئے ناکافی تھیں، اور ہزاروں افراد تپتی ہوئی دھوپ میں بارہ بارہ پندرہ پندرہ میل سے پیدل چل کر فیصل مسجد پہنچے جن میں بوڑھے، کمزور اور معذور

افراد بھی شامل تھے۔

انسانوں کا یہ انبوہ جس کی نظیر میدانِ عرفات یا کراچی میں امامِ کعبہ کی نمازِ جمعہ کے علاوہ مجھے کبھی یاد نہیں، اُس ایک شخص کو الوداع کہنے آیا تھا جس کی اپنی کوئی جماعت نہیں تھی، اور جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ عوام اُس کے ساتھ نہیں ہیں، یہ سب لوگ کسی ایک لڑی میں پروئے ہوئے نہیں تھے، مگر ان کا نظم و ضبط قابلِ دید تھا، خاموش، پُرسکون اور سوگوار، کوئی شور نہیں کوئی جھگڑا نہیں، کوئی دھکا پیل نہیں، ہاں بیشمار لوگوں نے شہیدِ مرحوم کے ساتھ اپنی محبت و عقیدت کے اظہار کیلئے بینر اُٹھا رکھے تھے، جن میں سے اکثر ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ ان بینروں پر بڑے پُراثر جملے تحریر تھے، اور ایک بینر نے تو ایک شعر میں اس سوگوار فضا کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا تھا، اس پر لکھا تھا ؎

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

ہم نے ہجوم کی وجہ سے نمازِ جنازہ سڑک پر کھڑے ہو کر ادا کی۔ نماز کے بعد تدفین کے وقت کسی طرح قبر کے قریب پہنچنے اور مٹی دینے کا موقع ملا۔ جس سے ملو، وہ آہ بلب تھا، بعض ایسے حضرات جو زندگی میں مرحوم کو بُرا بھلا کہا کرتے تھے، انہیں بچوں کی طرح روتے دیکھا، بہت سے علماء، صحافیوں، اور اہلِ فکر سے ملاقات ہوئی، اُن سب کو ہاتھ ملتے ہوئے پایا۔ ایک معروف عالم اور سیاسی رہنما کے الفاظ یہ تھے کہ: "اس قوم نے اللہ کی اس نعمت کی قدر نہ کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس نعمت کے لائق نہیں ہو، اس لئے وہ واپس لے لی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو شہادت کی نعمت سے سرفراز فرمایا، اگر یہ حادثہ کسی تخریب کاری کا نتیجہ تھا، جیسے کہ ظاہر یہی ہے، تو یہ پہلے درجے کی شہادت ہے، جس پر دنیا اور آخرت دونوں میں شہادت کے احکام جاری ہوتے ہیں، ورنہ اخروی احکام کے لحاظ سے تو شہادت میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات پر بہترین صلہ عطا فرمائے، سیئات کی مکمل مغفرت فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے، اور ملک و ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

صدرِ مرحوم کی شہادت پر ملک کی تاریخ کا ایک دور ختم ہو گیا۔ اب ملک اور اس کے عوام کیلئے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ مرحوم نے ملک میں نفاذِ اسلام کی حرکت کو جس منزل تک بھی

پہنچایا تھا، قوم اُس کے تحفظ و بقاء اور اس کو آگے بڑھانے کیلئے کیا کرتی ہے؟ مغربی جمہوریت کے راستے سے نفاذِ اسلام کی جد وجہد کرنے والوں کے خیال میں صدرِ مرحوم نفاذِ اسلام کی راہ کا ایک کانٹا تھے، آج یہ کانٹا نکل گیا، اب اُن کیلئے میدان صاف ہے، جن لوگوں کے خیال میں مرحوم نفاذِ شریعت کی راہ میں رُکاوٹ بنے ہوئے تھے، اب یہ رُکاوٹ دُور ہوگئی، اب ان تمام حضرات پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ زیادہ صحیح، زیادہ مکمل اور زیادہ پائیدار طریقے سے ملک میں شریعت نافذ کریں، اور کروائیں۔

ابتک سیاسی جماعتوں کی جد وجہد کا ایک ہی مرکزی نقطہ تھا، اور وہ تھا: "صدر ضیا کو ہٹانا" اللہ تعالیٰ نے خود ہی اُنہیں اِس طرح ہٹا دیا کہ کسی جماعت کو اُن کے ہٹنے کا کریڈٹ لینے کا موقع نہیں مِل سکا۔ بہرحال! اب اُنہیں کوئی مثبت پروگرام پیش کرکے یہ دکھانا ہوگا کہ اُن کی جولانیوں کا میدان صرف نفی ہی نفی نہیں ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جو صدر مرحوم کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ واقعۃً اُن کا مشن نفاذِ اسلام ہے، اور اسی وجہ سے اُن سے محبت رکھتے تھے، اب اُن کا بھی یہی فریضہ ہے کہ وہ اس مشن کی تکمیل اور اس کو آگے بڑھانے کی فکر کریں، اور اس جد وجہد کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ اس طرح دونوں قسم کے لوگوں پر اس وقت بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوگئی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص کے بغیر عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔

دِل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تاریخ کے اس نازک موڑ پر اس قوم کی دستگیری و رہنمائی فرمائے، اور اُسے وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اُس کی رضا کے مطابق ہو، اور جس کی ملک و مِلّت کو ضرورت ہے۔

موت و حیات اور سانحات و حوادث اِس دُنیا کے لوازم میں سے ہیں، کوئی شخص ہمیشہ دُنیا میں نہیں رہ سکتا، اگر قوم اپنی تاریخ اور پیش آنے والے واقعات سے سبق لیکر اپنے لئے صحیح راہِ عمل طے کر سکتی ہو تو اس قسم کے حوادث اُسے ڈگمگانے کے بجائے اُس کیلئے مہمیز کا کام کرتے ہیں، اور وہ اُن کے ذریعے اپنی جد وجہد کے کچھ اور زینے طے کر لیتی ہے، لیکن اگر خدانخواستہ واقعات سے صحیح سبق لینے کی بصیرت یا حوصلہ نہ ہو تو یہ مستقبل کیلئے شدید خطرے کی گھنٹی ہے، جس کا انجام بڑا ہولناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ہولناک انجام سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی
۱۲ محرم ۱۴۰۹ھ

مصنوعات اشرفی دواخانہ کراچی پاکستان

ملنے کے پتے ● شرافت جنرل اسٹور۔ بالمقابل تاج کمپنی بندر روڈ کراچی۔ ● یونانی کو۔ ناظم آباد چورنگی ● حافظ جنرل اسٹور۔ گول مارکیٹ کراچی۔ ● خواجہ اسٹور۔ صدر کراچی۔

Pure
White and
Crystal-clear
Sugar

Bawany Sugar Mills Ltd.

کراچی کی علمی دنیا میں

مستند اور معیاری اسلامی، علمی و ادبی کتب کا لائق توجہ ادارہ

◎

عربی، اردو اور سندھی کتب کا
ایسا ذخیرہ جو آپ کی علمی تشنگی
میں معاون ہو سکتا ہے۔

تشریف لائیے

اور

اپنے علمی و دینی ذوق کی تسکین فرمائیے

مکتبہ برھان

اردو بازار۔ کراچی 2 فون: 219221

◎

فہرست کتب مفت طلب کریں

کتب اندرون ملک و بیرون ممالک بھیجنے کا انتظام ہے۔

باپردہ عورتوں کی فضیلت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت چھپاکر رکھنے کی چیز ہے اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اُسے شیطان تکنے لگتا ہے، اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اُس وقت سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔ (الترغیب والترہیب)

اِسلام نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے گھر کے اندر ہی رہیں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے گھر سے نکلنا ہو تو خوب زیادہ پردے کا اہتمام کرے، خوشبو لگا کر نہ نکلے اور راستہ کے درمیان نہ چلے، نگاہیں نیچی رکھے، بَن ٹھن کر نہ نکلے۔

محمّد نسیم
پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس ــــ کراچی

وضو کا اہتمام کمالِ ایمان کی نشانی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اسی لئے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کا پورا پورا اہتمام بس مؤمن بندہ ہی کرسکتا ہے۔

(مؤطا امام مالک، مسند احمد)

وضو کی محافظت ونگہداشت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ سنّت کے مطابق وضو کیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بندہ ہر وقت باوضو رہے۔ بہرحال حضورؐ نے اس حدیث میں "محافظت علی الوضو" کو کمال ایمان کی نشانی فرمایا ہے۔

شمسی کلاتھ اینڈ جنرل ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۳، ادریس چیمبرز۔ تالپور روڈ۔ کراچی ۱۰۔ فون ۲۲۱۹۴۱ - ۸۱ - ۲۳۸۰۸۱

تبصرے کیلئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں (ادارہ)

اشرف التوضیح تقریر مشکوٰۃ المصابیح (جلد اول)

ازافادات :۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب دامت برکاتہم صدر و مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد ـــــ ترتیب و مراجعت :۔ مولانا محمد زاہد و مولانا محمد مجاہد

ناشر :۔ مکتبہ اسلامیہ امدادیہ گلشن امداد فیصل آباد۔ ۳۰×۲۰/۸ سائز کے ۵۸۴ صفحات۔ کتابت وطباعت اور کاغذ متوسط۔ جلد نہایت خوشنما اور دیدہ زیب۔ قیمت درج نہیں۔

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہم العالی ہمارے ملک کے اُن مایہ ناز اہل علم میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے علم وفضل کے اعلیٰ مقام کے ساتھ قلب کا سوز وگداز اور خدمتِ دین کا جذبہ و سلیقہ عطا فرمایا ہے۔ اُن کا قائم کیا ہوا مدرسہ جامعہ اسلامیہ امدادیہ ماشاءاللہ نہایت تیزی سے ترقی کی منازل طے کررہا ہے اور اس نے چند ہی سالوں میں ملک کے ممتاز دینی مدارس کی صف میں اپنا مقام پیدا کرلیا ہے۔

مولانا کا درس حدیث ملک کے مقبول ترین دروس میں سے ہے۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کے درس میں جو تقاریر ارشاد فرمائیں، وہ زیر نظر کتاب میں مرتب ہیں۔ شروع میں علم حدیث کے تعارف حجیت حدیث اور تدوین حدیث کے موضوع پر عمدہ مقدمہ ہے۔ اس کے بعد اس جلد میں آغاز کتاب سے آمین بالجہر کے مسئلے تک مشکوٰۃ کی بہترین تقریر آگئی ہے جو ایک شرح کی حیثیت رکھتی ہے۔

احقر کو جستہ جستہ اس کتاب کے مطالعے کا موقع ملا۔ ماشاءاللہ تقریر محققانہ، جامع اور طلبہ کے لئے نہایت مفید ہے۔ مولانا کے دونوں فاضل صاحبزادوں نے اسے بڑے سلیقے سے مرتب کیا ہے اور حواشی میں تقریر کے اہم حوالوں کی تخریج فرماکر کتاب کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔

یہ کتاب مشکوٰۃ کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے تو نہایت مفید ہے ہی، ان لوگوں کے لئے بھی فائدہ مند ہے جو اردو میں حدیث کے مباحث کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ ان شاءاللہ علماء وطلباء اور عام تعلیم یافتہ مسلمان اس کتاب کی کماحقہ پذیرائی کریں گے۔ (م ت ع)

نام کتاب: **تعلیماتِ اسلام** (مکمل پانچ حصے)

تالیف: مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہم

ناشر: مکتبۂ فیضِ اشرف - بیت الاشرف ۸، ۷/اے، ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

صفحات: ۵۷۵ - قیمت ساٹھ روپے۔

حضرت مسیح الامت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں آپ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے وہ خلیفۂ خاص ہیں جو اپنے شیخ کی حیات ہی میں، ان کے طریقۂ تعلیم و تربیت کو آگے بڑھانے میں معروف و ممتاز ہو گئے تھے۔ اور اپنے آخری دورِ علالت میں حضرت حکیم الامتؒ نے جن مخصوص حضرات کی طرف اصلاح و تربیت کے لئے رجوع کرنے کا مشورہ عنایت فرمایا ان میں ایک نام حضرت مسیح الامت دامت برکاتہم کا بھی تھا۔

مجدد ملت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجددانہ ہدایات کا خلاصہ یہ تھا کہ دین کو چند مخصوص ارکان و افعال تک محدود سمجھ لینا غلط ہے۔ یہ دین ہماری زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہے۔ خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو، یا نماز و عبادات سے، باہمی لین دین سے ہو یا ظاہری بود و باش سے، تزکیۂ نفس اور تعمیر باطن سے ہو یا تنفیذ حدود و تعمیرِ ملت سے۔

حضرت مسیح الامت مدظلہم العالی نے اسی چیز کو موجودہ حالات کی مناسبت سے واضح فرمایا۔ اور عقائد و عبادات، معاملات و معاشرۃ و اخلاق کے سلسلہ میں نہایت جامع اور اصولی باتیں جمع فرما دی۔ خصوصیت سے عقائد کے باب میں۔ وجود باری تعالیٰ توحید باری تعالیٰ۔ مسئلہ ختم نبوت اور اعجاز قرآن جیسے نازک اور اہم مسائل پر نہایت ٹھوس دلائل پیش فرما دیئے ہیں۔ کتاب میں سوال و جواب کا انداز اختیار کیا گیا ہے، جس سے قارئین کو مستفید ہونے میں آسانی رہتی ہے۔

حضرت موصوف کے خویش جناب مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب نے انہی مضامین کو پانچ حصوں میں مرتب فرما دیا تھا جو پہلے الگ الگ شائع ہو چکے تھے۔ اور اب یہ پانچ حصے یکجا شائع ہو گئے ہیں۔ سفید کاغذ پر جاذب نگاہ کتابت کے ساتھ، خوبصورت ڈائی دار جلد میں یہ مرصع مجموعہ ہدیۂ قارئین کیا گیا ہے۔

اپنے مضامین کی اہمیت، افادیت اور جامعیت کے لحاظ سے یہ مجموعہ اس لائق ہے کہ اسے مدارس میں بطور خاص شامل درس کیا جائے۔ اور تعلیم بالغاں کے جہاں جہاں سلسلہ قائم ہوں وہاں بھی اسے نصابی حیثیت سے شامل کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس جامع اور اصولی تعلیم کے حاصل کرنے کے بعد گمراہی اور بدعملی کا سد باب ہو گا۔ (محمد اللہ دار العلوم کراچی

کے ابتدائی درجات میں اس کے مختلف حصّے نصابی طور پر شامل کرلئے گئے ہیں) البتہ پیشِ نظر ایڈیشن میں کتابت کی اغلاط کافی نظر سے گذریں بالخصوص عربی عبارات اور ان کے اعراب میں غلطیاں ہیں اور انکی اصلاح بہت ضروری ہے۔

اسی طرح بعض مسائل میں علمی انداز نمایاں ہے جو مدارس کے حلقہ میں تو ایسا اجنبی نہیں تاہم عوامی حلقوں میں اسے سمجھنا دشوار ہوگا۔ اس لئے اگر آئندہ اشاعت میں تصحیح عبارت اور تسہیل مضامین کا کام بھی ہوجائے تو امید ہے کہ اس کا نفع مزید عام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ناشر ومؤلف ومرتب کی اس دینی خدمت کو بیش از بیش قبول فرماکر امت مسلمہ کی ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ ر۔ع۔ہ

نام کتاب :— **کتابت اور تدوین حدیث**

تالیف :— مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب۔ افتتاحیہ :— جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ الحق

ناشر :— مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک پشاور۔

۴۸ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کی تقاریر ترمذی کے مقدمہ کا ایک حصّہ ہے، جو مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کے فاضلانہ قلم سے زیب قرطاس ہوا جسمیں کتابت کی شرعی حیثیت، کتابت حدیث کے ابتدائی مراحل، عہد رسالت وعہد صحابہؓ میں تحریری کام۔ کتابت حدیث کا اہتمام، کاتبین وحی عہد نبوی کی سرکاری دستاویزات، سب سے پہلا تحریری دستور مملکت، تدوین حدیث کی منظم وباضابطہ کوششوں کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ موضوع زیر بحث سے متعلق کئی دوسرے اہم عنوانات پر بھی مختصر مگر جامع مباحث آگئے ہیں۔

اختصار اور جامعیت کی بدولت طلبہ اور کم فرصت اصحاب کے لئے یہ ایک مفید اور ضروری چیز ہے جس سے حجیت حدیث کی بخوبی وضاحت ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتب وناشر کو جزاء خیر عطافرمائیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے مستفید فرمائیں۔ (ر۔ع۔ہ)